وقد اخذ میثاقکم ان کنتم مؤمنین

توحیدِ عملی اور فریضۂ اقامتِ دین

ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک حالیہ خطاب

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

مرکزی مکتبہ تنظیم اسلامی

۳۶-کے ماڈل ٹاؤن — لاہور

پنجاب بیوریجز کمپنی لمیٹڈ۔ فیصل آباد۔ فون: ۲۶۰۳۱
۲۳۹۳۱

ماہنامہ
میثاق
لاہور

جلد ۳۳	شمارہ ۲	جمادی الاولیٰ ۱۴۰۴ھ مطابق فروری ۱۹۸۴ء

مشمولات

عرض احوال ——— ۳
جمیل الرحمٰن

الہدیٰ ——— ۷
ڈاکٹر اسرار احمد

توحید عملی اور فریضہ اقامت دین ۱۹
ڈاکٹر اسرار احمد

شرک اور اقسام شرک (قسط چہارم) ۴۷
ڈاکٹر اسرار احمد

خسران اُخروی سے بچنے کا راستہ ۵۷
محمد اقبال احمد

عورت اور اسلامی معاشرہ — ۶۷
افضال احمد

اظہار حق "قادیانیت اپنے لٹریچر کے آئینہ میں" ۷۵
قاری نصیر احمد غزنوی

ایں چہ بوالعجبیست ——— ۸۵
عبدالرحمٰن خان مہمند

ادارۂ تحریر
شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید

سالانہ زر تعاون
۳۰ روپے
قیمت فی شمارہ
۳ روپے

ناشر
ڈاکٹر اسرار احمد

طابع
چودھری رشید احمد

مطبع
مکتبہ جدید شارع فاطمہ جناح لاہور

مکتبہ تنظیم اسلامی ۳۶-کے ماڈل ٹاؤن لاہور
فون : ۸۵۲۶۱۱

سب آفس : ۱۱ داؤد منزل
نزد آرام باغ، شاہراہ لیاقت کراچی

کراچی فون برائے رابطہ
۲۱۴۷۰۹

قارئین متوجّہ ہوں!

- گذشتہ ماہ واضح اعلان کے باوجود بعض حضرات نے سالانہ زرِ معاونت کے لیے تیس روپیہ کا چیک ارسال کیا ہے گذارش ہے کہ آئندہ تیس روپے کا صرف ڈرافٹ یا پے آرڈر قبول کیا جائے گا اور اُس رقم کا چیک معذرت کے ساتھ واپس کر دیا جائے گا۔
- ادارہ نے یہ فیصلہ بھی کیا ہے کہ آئندہ سے زرِ تعاون صرف منی آرڈر یا کیش کی شکل میں وصول کیا جائے گا۔ لیکن جو خریدار حضرات چیک روانہ کرنا چاہیں وہ چالیس روپے کا چیک روانہ فرمائیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ چیک کیش کرواتے میں دس یا بارہ روپے صرف ہو جاتے ہیں۔ جو بلا شبہ ادارے پر اضافی بوجھ ہے۔ توقع ہے کہ قارئین اسے اپنے لئے بار متصوّر نہیں کریں گے۔ بیرونی ممالک سے ڈرافٹ حسبِ سابق قابلِ قبول ہوں گے۔
- ماہنامہ میثاق کا سالانہ زرِ تعاون اندرونِ ملک -/۳۰ روپے ہے جبکہ دوسرے ممالک کے لئے زرِ تعاون حسبِ ذیل ہے:

کینیڈا -/۱۵۰ روپے یا ۱۵ کینیڈین ڈالر

امریکہ، افریقہ، مغربی جرمنی، نائیجیریا -/۱۵۰ روپے یا ۱۲ امریکن ڈالر

انگلینڈ، ناروے، متحدہ عرب امارات -/۱۰۰ روپے

سعودی عرب، ابوظہبی، مصر، ایران -/۶۰ روپے

انڈیا -/۸۰ روپے

- پاکستان کے دیگر شہر جہاں تنظیم کی ذیلی شاخیں قائم ہیں وہاں میثاق درج ذیل پتوں سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

★ پشاور: دفتر تنظیم اسلامی۔ نثار بلڈنگ پل پختہ نزد چوک یادگار، پشاور

★ ملتان: عبدالغنی صاحب، ملتان پولٹری کارنر۔ بالمقابل فاطمہ جناح ہسپتال ملتان۔ فون ۷۵۸۹۱

★ کوئٹہ: دفتر تنظیم اسلامی جناح روڈ کوئٹہ اور قاری افتخار احمد صاحب خطیب مسجد طوبیٰ مسجد روڈ کوئٹہ۔ فون ۷۷۲۹۵

★ کراچی: داؤد منزل۔ نزد آرام باغ۔ شاہراہ لیاقت کراچی۔ فون ۲۱۴۷۰۹

★ راولپنڈی: یزی لینڈ اسکول ۱-E-۱۴۔ راولپنڈی سٹلائٹ ٹاؤن فون ۴۳۷۳۶

جمیل الرحمٰن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ احوال

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

صد شکر و احسان اللہ تبارک و تعالیٰ کا کہ ہم فروری ۸۴ء مطابق جمادی الاوّل ۱۴۰۴ھ کے 'میثاق' کا شمارہ قارئین کرام کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔ اس شمارے کے یوں تو تمام ہی مضامین قابلِ مطالعہ ہیں لیکن فضلِ الٰہی سے یہ عجیب اتفاق ہوا ہے کہ اس میں سورۂ فاتحہ کی ابتدائی تین آیات کی مختصر سی تشریح سلسلۂ تقاریر الہدیٰ میں آگئی ہے جس میں توحیدِ باری تعالیٰ کا مثبت انداز میں بیان ہے۔ توحید کی ضد شرک کی بحث محترم ڈاکٹر اسرار احمد کے "شرک اور اقسامِ شرک" کے موضوع کے خطاب کی مسلسل قسط میں آگئی ہے۔ توحید کا التزام، اس کا عمل سے ربط اور فریضہ اقامتِ دین سے تعلق نیز اجتناب شرک کے مباحث محترم ڈاکٹر صاحب موصوف کے اس حالیہ خطاب میں آگئے ہیں جو دسمبر ۸۳ء میں کراچی میں کیا گیا تھا۔ تنگیٔ داماں کے باعث اس خطاب کی صرف پہلی قسط اس شمارے میں شامل ہو سکی ہے۔ ان شاء اللہ اس کی دوسری قسط آئندہ شمارے میں پیش ہو گی بعدہٗ سورۂ شوریٰ کے بعض مقامات کا ڈاکٹر صاحب مدظلہٗ کا وہ درس قسط وار شائع ہو گا یہ خطاب جس کی تمہید ہے۔ سورۂ شوریٰ ڈاکٹر صاحب کے نزدیک فریضۂ اقامتِ دین کے موضوع پر ذروۂ سنام کا مقام رکھتی ہے۔ موصوف اس مکمل سورہ کا اور بالخصوص آیات ۱۳ تا ۱۷ کا متعدد بار درس دے چکے ہیں جن میں سے اکثر کو سننے کی اس عاجز کو سعادت نصیب ہوئی ہے۔ اس عاجز کی یہ رائے ہے کہ ڈاکٹر صاحب کا حالیہ درس بالکل نئے اسلوب اور نئے استدلال سے دیا گیا ہے اور اس میں بڑے شرح وبسط کے ساتھ توحیدِ عملی کے مراحل و مدارج بیان فرمائے گئے ہیں۔ قرآن حکیم کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ایک طویل حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ نقل ہوئے ہیں کہ:

ولا یشبع منہ العلماء و لا یخلق عن کثرۃ الرّد ولا تنقضی عجائبہٗ۔

"علماء کبھی اس کتاب سے سیر نہ ہو سکیں گے نہ کثرتِ تکرارِ تلاوت سے اس کے لطف میں کوئی کمی آئے گی اور نہ ہی اس کے عجائب

(یعنی نئے نئے علوم و معارف) کا خزانہ کبھی ختم ہو سکے گا۔"

اللہ کے جو بندے قرآن حکیم میں غوطہ زن ہوتے ہیں، اس میں تدبر و تفکر کرتے ہیں وہ اس میں سے حکمت، دانائی اور رشد و ہدایت کے نئے نئے دُرِ شہوار نکال کر لاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر قرآن فہمی کی مزید ارزانی فرماتا ہے۔ یہ سلسلہ چودہ سو صدیوں سے چل رہا ہے اور ان شاء اللہ تا قیامِ قیامت چلتا رہے گا۔

قرآنِ حکیم کے معارف اور اس کی حکمتوں کا عرفان و علم جب ہی نافع ہوگا جب اس کی ہدایت کو ہم اپنی عملی زندگی میں اختیار کر لیں۔ قرآن مجید تذکیر، نصیحت، موعظت کے لئے بھی دنیا کی آسان اور مؤثر ترین کتاب ہے۔ اللہ عزّ و جلّ نے خود سورۃ القمر میں اپنی کتابِ مبین کے اس وصف کو چار مرتبہ یہ فرما کر واضح کیا:

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ○

"ہم نے یاد دہانی کے لئے قرآن کو آسان بنا دیا ہے۔ تو ہے کوئی اس ذکر سے فائدہ اٹھانے والا"!

قرآن حکیم کا اعجاز و ایجاز اور اس کی بلاغت و فصاحت، اس کا اصل سبق، اس کی حقیقی تعلیم معلوم کرنا ہو تو ان تمام کی جامع ترین سورت سورۃ العصر ہے۔ جس میں ابدی خسران سے بچنے کے اور اخروی نجات کے چار لوازم، چار ناگزیر شرائط، چار نشاناتِ راہ نہایت اختصار لیکن جامعیت کے ساتھ بیان فرمائے گئے ہیں:

وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۝ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ○

"زمانہ کی قسم ہے یعنی یہ تیزی سے گزرنے والا وقت گواہ ہے کہ نوعِ انسانی خسارے میں ہے سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے، جنہوں نے اچھے عمل کئے اور باہم ایک دوسرے کو حق کی نصیحت وصیت کی اور باہم ایک دوسرے کو صبر کی تاکید و تلقین کی"

اس سورتِ مبارکہ کی عظمت اور جامعیت کا اتنا گہرا اثر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے قبول کیا کہ وہ یہ کہنے پر مجبور ہو گئے:

لو تدبر الناس هذه السورة لوسعتهم۔

"اگر لوگ اس سورت (سورۃ والعصر) پر غور کریں تو وہ اسی میں پوری رہنمائی اور کامل ہدایت پالیں گے"۔

امام رحمہ اللہ کا یہ قول ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے۔ امامؒ موصوف کا دوسرا قول محمد عبدہٗ نے پارہ عم کی تفسیر میں اس سورۃ مبارکہ کے ضمن میں یہ نقل کیا ہے:

لو لم ینزل من القرآن سواها لکفت الناس۔

"اگر قرآن مجید میں سوائے اس سورۃ مبارکہ کے اور کچھ بھی نازل نہ ہوتا تو صرف یہ سورت ہی لوگوں (کی ہدایت) کے لئے کافی ہوتی"۔

یہ بھی حسنِ اتفاق ہے کہ اس سورۃ مبارکہ پر ہمارے رفیق جناب محمد اقبال واحد صاحب امیر تنظیم اسلامی فیصل آباد کے مضمون کی پہلی قسط بھی اسی شمارے میں شامل ہے۔

اس تمام گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ جب تک ہم قرآن حکیم کو صحیح معنوں میں اپنا امام، قائد اور رہنما نہیں بنائیں گے اس وقت تک نہ دنیا میں باعزت زندگی سے بہرہ مند ہو سکیں گے اور نہ ہی آخرت میں اللہ کی عدالت میں سرخرو اور فوز و فلاح سے ہمکنار ہو سکیں گے۔

محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب امیر تنظیم اسلامی ۲۳ دسمبر ۸۳ء کو دعوتی و تبلیغی دورے پر شمالی امریکہ تشریف لے گئے تھے جہاں سے ۱۹ جنوری ۸۴ء کو مراجعت ہوئی۔ متحدہ امریکہ میں ہوسٹن، شکاگو اور نیویارک میں ڈاکٹر صاحب کے خطابات اور دروس کے پروگرام ہوئے۔ موصوف کینیڈا کے مشہور شہر ٹورنٹو بھی تشریف لے گئے تھے۔ اس سفر میں ڈاکٹر صاحب کے تیسرے فرزند میاں حافظ عاطف وحید سلمہٗ ان کے ہمراہ تھے۔ ان پر راقم نے یہ ذمہ داری ڈالی ہے کہ وہ اس سفر کی روداد لکھیں۔ اس قسم کے کام کا ان کو کوئی تجربہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق شاملِ حال رہی تو وہ اس کام کو انجام دیں گے اور ان کی محنت کا نتیجہ آئندہ ماہ قارئین کرام کے سامنے آجائے گا۔

ان سطور کا راقم اپریل ۸۳ء کے آخری عشرہ سے چند نجی مصروفیات کے باعث "میثاق" سے وہ ربط و تعلق قائم نہیں رکھ سکا تھا جو نومبر ۷۶ء سے چلا آرہا تھا۔ اللہ سبحانہ کا اس عاجز پر یہ فضل ہوا ہے کہ اس تعلق کی تجدید ہو گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت سے کامل امید ہے کہ وہ تبارک و تعالیٰ راقم کے، دعوتِ اسلامی کے اس نقیب کے ساتھ، اس حقیر سے تعاون کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے گا۔

فاطر السمٰوٰت والارض انت ولیّ فی الدنیا والآخرۃ توفنی مسلماً والحقنی بالصٰلحین۔ آمین! یا رب العٰلمین!

سیرتِ نبویؐ کے ضمن میں ۲ دو عظیم تحفے

ڈاکٹر اسرار احمد

صدر مؤسس، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور و امیر تنظیمِ اسلامی
کے دروس و تقاریر کے ۲ دو مجموعے ✦ اعلیٰ و دبیز کاغذ پر خوشنما طباعت کے ساتھ!

رسولِ کامل صلی اللہ علیہ وسلم

یعنی پاکستان ٹی وی سے نشر شدہ ۱۲ تقاریر کا مجموعہ، اور

فرائضِ دینی اور اسوۂ رسولؐ

سورۂ احزاب ۔ رکوع ۲، ۳ کی روشنی میں

تبلیغی مقاصد کے پیش نظر ۱۵ ہدیہ صرف چھ روپے فی کتاب ۱۵ محصول ڈاک علاوہ

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن ۳۶ کے ماڈل ٹاؤن لاہور

فون — ۸۵۲۶۱۱

ذیلی دفتر: ۱۱ داؤد منزل ۔ نزد آرام باغ، کراچی ۱ ۔ فون برائے رابطہ ۲۱۴۷۰۹

الھُدیٰ (گیارہویں نشست)

(مباحث ایمان)

قرآن کے فلسفہ وحکمت کی اساسِ کامل

سُورۃ فاتحہ

از: ڈاکٹر اسرار احمد

(۲)

السلام علیکم! نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم۔ امّا بعد

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ ۝

حاضرینِ گرامی و ناظرینِ کرام!

گذشتہ نشست میں ہم نے پوری سورہ فاتحہ کا ترجمہ سماعت کیا تھا اور اس کے بارے میں چند تمہیدی باتیں جان لی تھیں۔ اب ہم اس سورہ مبارکہ کے تینوں اجزا کو ایک ایک کر کے قدرے گہرائی میں جا کر سمجھنے کی کوشش کریں گے۔

اس سورۂ مبارکہ کا جزو اوّل ان تین آیات پر مشتمل ہے، جن کی میں نے آغاز میں تلاوت کی۔ جن کا ترجمہ ہے۔

"کل شکر اور کل ثنا اللہ کی ہے۔ جو تمام جہانوں کا مالک اور پروردگار ہے۔ بہت رحم فرمانے والا ہے نہایت مہربان ہے۔ جزا و سزا کے دن کا مالک و مختار ہے"۔

نوٹ کیجیے کہ یہ سورہ مبارکہ قرآن مجید کی افتتاحی سورہ ہے اور اس سورة کا ابتدائی کلمہ ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ؕ ------ یہ کلمہ بہت عظیم ہے بہت بلند مرتبت ہے۔ اس کے مفہوم کو سمجھنے کے لیے سب سے پہلے لفظ "حمد" کو اچھی طرح جان لینا ضروری ہے۔ عام طور پر اس کا ترجمہ صرف ایک لفظ 'تعریف' سے کر دیا جاتا ہے حالانکہ تعریف بھی عربی کا لفظ ہے اور حمد بھی عربی کا لفظ ہے اور یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ کسی بھی زبان کے دو الفاظ بالکل ہم معنی نہیں ہوتے ان کے معنی و مفہوم میں لازماً کچھ نہ کچھ فرق ہوتا ہے اگر گہرائی میں اتر کر دیکھا جائے تو لفظ "حمد" میں دو مفاہیم ہمیں مل جاتے ہیں۔ ایک شکر اور دوسرا ثنا۔

شکر، کے بارے میں بڑی تفصیلی گفتگو ہم سورۂ لقمان کے دوسرے رکوع کے درس کے سلسلہ میں کر چکے ہیں۔ جہاں شروع میں فرمایا گیا تھا:

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا لُقْمٰنَ الْحِکْمَۃَ اَنِ اشْکُرْ لِلّٰہِ وہاں ہم نے یہ سمجھ لیا تھا کہ اگر فطرت اپنی صحت پر برقرار ہو تو اس کا تقاضا جذبہ تشکر ہے اور اگر عقل صحیح طور پر کام کر رہی ہو تو اس کا حاصل اپنے منعم حقیقی اور اپنے اصل مربی یعنی اللہ کو پہچان لینا ہے۔ فطرت سلیمہ اور عقل صحیحہ دونوں کے امتزاج سے جو چیز حاصل ہوتی ہے اس کا نام حکمت ہے لہذا حکمت کا لازمی تقاضا اللہ کا شکر ہے۔ اَنِ اشْکُرْ لِلّٰہِ وہی بات ہے جو اس سورة مبارکہ کے ابتدائی کلمات میں آئی کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ حمد کا لفظ شکر سے زیادہ وسیع تر مفہوم کا حامل ہے۔ کسی کا شکر ایسی چیز پر ادا کیا جاتا ہے جس کا کوئی فائدہ ہمیں پہنچے۔ لیکن ثنا اور تعریف کی جاتی ہے، کسی بھی حسن و جمال اور کمال کو دیکھ کر خواہ اس کا کوئی فائدہ ہمیں پہنچا ہو یا نہ پہنچا ہو۔ حمد کے لفظ میں یہ دونوں چیزیں جمع ہیں۔ شکر بھی اور ثنا بھی۔ لہذا ترجمہ میں، میں نے ان دونوں کو جمع کیا کہ 'کل شکر اور کُل ثنا اللہ کی ہے'۔

ایک دوسرے پہلو سے غور کیجیے تو آپ میرے اس نتیجہ سے اتفاق کریں گے کہ یہ کلمۂ توحید ہے ہم یہ بات مانتے ہیں کہ اس کائنات میں جہاں کہیں بھی کوئی مظہر کمال ہے، مظہر حسن

ہے۔ مظہرِ جمال ہے ان کے متعلق ہماری عقل صحیحہ اور فطرتِ سلیمہ یہ رہنمائی کرتی ہے کہ ان تمام محاسن و کمالات کا منبع و سرچشمہ صرف اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذاتِ اقدس ہے۔ لہٰذا اصل تعریف اور ثنا ان اشیاء کی نہیں ہوتی بلکہ اللہ کی ہوتی ہے۔ کلمۂ توحید کا اقتضاء یہی ہے کہ ایک موحد کے شعور یا کم از کم تحت الشعور میں یہ بات مستحضر رہے کہ کائنات کی ہر نعمت ہر خیر ہر حسن ہر جمال اور ہر کمال اس کا ذاتی نہیں بلکہ اللہ کا ودیعت کردہ اور عطا شدہ ہے۔ جیسے تصویر میں اگر کوئی حسن ہے تو وہ درحقیقت مصوّر کے کمالِ فن کی عکاسی ہے۔ تصویر کا اپنا کوئی حسن نہیں نہ اس کا کوئی اپنا کمال ہے۔ بالکل اسی طرح کسی مخلوق میں اگر کوئی حسن و کمال ہے تو وہ حسن و کمال خالق کا ہے مخلوق کا اپنا کچھ بھی نہیں ہے۔ چنانچہ اس کُل سلسلۂ کون و مکان میں کوئی حسن، کوئی خیر، کوئی کمال اور کوئی خوبی اگر ہے تو اس کا منبع و سرچشمہ ذاتِ باری تعالیٰ ہے۔ لہٰذا شکر کا سزاوار حقیقی اور تعریف و ثنا کا اصل مستحق اللہ اور صرف اللہ ہے۔

یہ کلمہ الحمد للہ اتنا عظیم اور اعلیٰ مرتبت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کلمہ آسمان و زمین کو اپنی برکات سے بھر دیتا ہے :۔

التسبیح نصف المیزان والحمد للہ تملأہ اس حدیث شریف کی رو سے کلمۂ سبحان اللہ میزان کو نصف کر دیتا ہے اور جب ایک انسان الحمد للہ کہتا ہے تو یہ کلمہ نہ صرف ان کو پُر کر دیتا ہے بلکہ آسمان و زمین کے مابین جو خلا ہے، جو فضا ہے، اس سب کو پُر کر دینے والا کلمہ یہ الحمد للہ ہے۔ ان دونوں کلمات کی عظمت میں ایک اور حدیث شریف ہے، جس پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح بخاری کا اختتام کیا ہے اور وہ ہے۔ کلمتان حبیتان الی الرحمان ثقیلتان فی المیزان خفیفتان علی اللسان سبحان اللہ وبحمدہٖ سبحان اللہ العظیم

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے انعام و اکرام اور احسانات کے ضمن میں انبیاء و رسل اور صالحین کے جو کلماتِ شکر منقول ہوتے اور اس سلسلے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن دعاؤں کی تعلیم و تلقین فرمائی ہے ان میں سے اکثر و بیشتر میں یہی کلمۂ الحمد للہ استعمال ہوا ہے۔

تنگیٔ وقت کے باعث دو مثالیں قرآن مجید اور دو مثالیں حدیث شریف سے پیش کرنے

پر اکتفا کرتا ہوں۔ بڑھاپے میں جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو حضرت اسمٰعیل اور حضرت اسحٰقؑ جیسے صالح فرزند عطا فرمائے جو آگے چل کر منصب نبوت پر بھی سرفراز ہوئے تو اس احسان و انعام و نعمت و کرم پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان پر یہ ترانہ شکر ادا ہوا کہ:
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَی الْكِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ (سورۃ ابراہیم ۳۹)
ایک اور مثال سورہ الاعراف سے دیکھ لیجیے۔ جب مؤمنین صادقین کو حساب و کتاب کے بعد میں جنت میں داخلہ کا اذنِ الٰہی ملے گا تو ان کی زبانوں پر یہ کلمۂ شکر و سپاس اور تعریف و ثنا جاری ہوگا کہ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَاۤ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ______ "اور وہ کہیں گے۔ کل شکر اور کل تعریف اس اللہ کی ہے جس نے ہمیں یہ راستہ دکھایا ہم خود ہدایت نہ پا سکتے تھے اگر اللہ ہماری رہنمائی نہ فرماتا"۔ سو کر اٹھنے کی یہ دعا رسول اللہؐ نے تعلیم فرمائی کہ: الحمد للّٰہ الذی احیانا بعد ما اماتنا والیہ النشور۔ ______ اکل و شرب کے بعد دعا ان الفاظ سے تلقین فرمائی کہ: الحمد للّٰہ الذی اطعمنا وسقانا وجعلنا من المسلمین۔
______ آگے باری تعالیٰ کا مزید تعارف ہو رہا ہے۔ ان کی چند صفاتِ کمال کا مزید ذکر ہو رہا ہے۔ پہلی بات سامنے آتی ہے: رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔ "جو تمام جہانوں کا مالک اور پروردگار ہے"۔ رب کے لفظ میں یہ دونوں مفہوم شامل ہیں۔ عرب کہتے ہیں۔ ربّ البیت یا ربّ الدار کیا معنیٰ ؟ گھر کا مالک، گھر والا۔ قرآن میں رب کا لفظ مالک کے معنوں میں متعدد مقامات پر استعمال ہوا ہے: جیسے رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ معنی ہوئے آسمانوں اور زمین کا مالک"۔ سورہ قریش میں آتا ہے کہ فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ "پس عبادت کرو اللہ کے اس گھر (حرم شریف) کے مالک کی"۔ پھر رب کا دوسرا مفہوم پرورش کرنا۔ ترقی اور نشوونما دینا بھی ہے۔ ایک مالک تو وہ ہوتا ہے جو اپنی ملکیت لے کر بیٹھ رہتا ہے اور ایک مالک وہ ہوتا ہے کہ اس کی ملکیت میں جو چیزیں ہیں وہ ان کا پالن ہار اور پروردگار بھی ہے۔ وہ ہر چیز کو اس کی استعدادات کے مطابق پروان چڑھاتا ہے اور ہر شے کو اس کے نقطۂ کمال تک پہنچانے کا سامان فراہم کرتا ہے۔ پس اللہ کی ہی وہ

ذاتِ گرامی ہے۔ جو ہر شے کے نقطۂ عروج و کمال تک پہنچنے کے جملہ مقتضیات کو فراہم کرنے اور پہنچانے والی ہے۔ لہٰذا ان دونوں مفاہیم پر مشتمل ذات ہے اللہ۔ عالمین۔ عالم کی جمع ہے اور عربی زبان میں کہیں ایسا بھی ہوتا ہے کہ ظرف کی جمع بول کر مظروف کی جمع مراد لی جاتی ہے۔ لہٰذا یہاں ربّ العٰلمین کا مفہوم ہوگا۔ سارے جہانوں کی مخلوقات کا وہ مالک اور پروردگار ہے۔ آقا بھی ہے اور پرورش کنندہ بھی ہے۔

آگے اللہ تبارک تعالیٰ کا ایک اور تعارف ہوتا ہے بایں الفاظ: اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اللہ سبحانہٗ کے دو بڑے عظیم نام ہیں۔ دونوں کا مادّہ (ROOT) ہے رحمت۔ اسی رحمت سے رحمان بنا اور اسی سے رحیم بھی۔ ان دونوں میں فرق کیا ہے! اس کو اچھی طرح سمجھ لیجیے۔ عربی زبان میں 'فعلان' کے وزن پر جب کوئی صفت آتی ہے تو اس میں ایسا نقشہ سامنے آتا ہے جیسے کسی کیفیت میں جوش و خروش اور ہیجان ہو۔ خود ہیجان بھی فعلان کے وزن پر ہے تشبیہ کے طور پر عرض کرتا ہوں کہ جیسے سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہو اس میں زبردست ہل چل ہو کسی صفت کی یہ کیفیت ہو تو عربی میں اُسے اکثر فعلان کے وزن پر لایا جاتا ہے۔ اَنا عطشانٌ۔ معنی و مفہوم ہوگا میں شدید پیاسا ہوں۔ پیاس سے مرا جا رہا ہوں۔ اَنا جوعانٌ میں بہت بھوکا ہوں، بھوک سے میری جان نکلی جا رہی ہے۔ هُوَ غضبانٌ وہ نہایت غصّہ اور طیش میں ہے۔ اَلبحر طغیانٌ سمندر میں سخت طوفان اور ہیجان ہے۔ وہ اپنی حدود سے باہر نکلنے پر آمادہ ہے۔ ان امور کو ذہن میں رکھ کر اب لفظِ رحمان کو سمجھیے کہ 'رحمان' کے کیا مفہوم اور معنی ہوں گے۔ رحمان وہ اللہ ہے جس کی رحمت ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کے مانند ہے۔ جس کی رحمت میں انتہائی جوش و خروش ہے۔

البتہ فعیل کے وزن پر جب کوئی صفت آتی ہے تو اس صفت میں اس کے دوام و استمرار کا مفہوم بھی شامل ہوتا ہے۔ یعنی یہ وقتی جوش و خروش نہیں ہے بلکہ اس میں پائیداری و استواری اور مستقل مزاجی ہے۔ گویا اللہ کی رحمت کی شان یہ ہے کہ اس میں دوام ہے، استقرار ہے، استمرار ہے۔ جیسے ایک دریا ہموار ی کے ساتھ مسلسل بہہ رہا ہے اس میں ہیجان نہیں ہے۔ سمندر کی طرح اس میں لہریں نہیں اٹھ رہیں۔ بلکہ وہ دوام و تسلسل کے ساتھ خاموشی سے بہے چلا جا رہا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کی رحمت کی یہ دونوں شانیں ہیں جو اس میں بیک

وقت موجود ہیں یعنی وہ بیک وقت رحمان بھی ہے رحیم بھی ہے ۔ یہ بات ہمارے لیے سمجھنا مشکل بھی ہے اور ناقابل تصور بھی۔ اس کو میں آپ کو ایک تشبیہ سے سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں آپ اس کی تفہیم کے لیے اپنی توجہات کو مرتکز فرمائیے ۔

فرض کیجیے کہ سڑک پر کوئی حادثہ ہوگیا ہو جس میں کئی افراد ہلاک ہوگئے ہوں اور فرض کیجیے کہ اس حادثے میں ایک ایسی عورت بھی ہلاک ہوگئی جس کی گود میں ایک دودھ پیتا بچہ بھی تھا ۔ وہ بچہ زندہ ہے اور اپنی مردہ ماں کی چھاتی سے چمٹا ہوا ہے ۔ یہ کیفیت دیکھ کر کون نرم دل انسان ایسا ہوگا کہ جس کے دل میں رقت پیدا نہ ہو ۔ جس کے دل میں رحمت کے جذبات موجزن نہ ہو جائیں ۔ ہر رقیق القلب شخص یہ چاہے گا کہ یہ بچہ جو بے سہارا ہوگیا ہے میں اس کی کفالت اپنے ذمہ لے لوں ۔ اس کی پرورش میں کروں ۔ لیکن وہ اگر اس جوش میں یہ ذمہ داری لے بیٹھا تو ہمارا مشاہدہ یہ ہے کہ اکثر و بیشتر یہ وقتی جوش بہت جلد ٹھنڈا ہو جاتا ہے ۔ ہوسکتا ہے کہ کچھ دنوں ہی کے بعد اسے محسوس ہو کہ میں یہ غلطی کر بیٹھا ۔ میرے اپنے بچے ہیں ۔ میری اپنی بے شمار ذمہ داریاں ہیں ۔ اب ان پر یہ بوجھ مستزاد آگیا ۔ گویا وقتی طور پر وہ ہیجانی کیفیت تو اس پر آئی جس کے زیر اثر اس نے اس بے سہارا بچے کی کفالت کی ذمہ داری لے لی لیکن اس میں دوام، استقرار اور استمرار نہیں ۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت کی یہ دونوں شانیں بیک وقت ہیں ۔ وہ بیک وقت رحمان بھی ہے اور رحیم بھی ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ الرحمٰن الرحیم کے مابین حرف عطف "و" نہیں آیا ۔ بلکہ یہاں فرمایا: اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ یعنی یہ دونوں صفات اس میں بیک وقت اپنے کمال کے ساتھ موجود ہیں ۔

اب ذرا ایک بات پر آپ غور کیجیے کہ سورہ فاتحہ یعنی قرآن مجید کی بالکل ابتدائی سورت کی ان دو آیات میں اللہ تعالیٰ کا جو تعارف ہمارے سامنے آتا ہے، اس تعارف میں کون سی چیز غالب ہے ! اسی کے لیے ہونا تمام شکر اور تمام ثناء و تعریف کا ۔ اس کی ربوبیت ۔ اسی کا پوری کائنات کا مالک اور پروردگار ہونا ۔ اس کی رحمانیت ، اس کی رحیمیت ، یہ امور ہیں جن کے ذریعہ اللہ سبحانہٗ کا ابتدائی تعارف ہمارے سامنے آتا ہے ۔ یہاں میں چاہتا ہوں کہ وہ اعتراض بھی آپ کو سنا دوں جو بعض مستشرقین نے قرآن مجید اور اسلام پر کیا ہے اور اس کا جواب بھی آپ کے سامنے آجائے ۔ وہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں اللہ کے خوف

پر زیادہ زور دیا گیا ہے ——— اسی کو زیادہ نمایاں کیا گیا ہے ۔ اسی کو (EMPHASIZE) کیا گیا ہے ۔ خوف ، تقویٰ ، آخرت کی باز پرس ، اللہ کا عذاب اللہ کی پکڑ اسی کی بہت تکرار ہے ۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ ہمارے مذہب یعنی (عیسائیت) میں اللہ کی محبت پر زور ہے ۔ یہاں آپ نوٹ کیجئے ——— قرآن مجید اللہ تبارک و تعالیٰ کا جو ابتدائی تعارف کرا رہا ہے وہ معاذ اللہ کسی خوفناک ہستی کا نہیں ہے ۔ بلکہ ایک دل آویز ، ایک شفیق ، ایک رؤف ، ایک ودود ایک رحمان ، ایک رحیم ہستی کا تعارف کرا رہا ہے جو مالک و آقا ، پروردگار اور پالن ہار ہے ۔ وہ تمام صفاتِ کمال سے متصف ہے ۔ تمام رحمتیں اسی کی ذاتِ اقدس میں موجود ہیں ۔ پس معلوم ہوا کہ اصل و حقیقی تعارف تو یہ ہے کہ :

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۙ

البتہ یہ بات اپنی جگہ ایک حقیقت ہے کہ سب لوگ محبت کے رمز آشنا اور قدر شناس نہیں ہوتے ۔ اکثر لوگ پست تر ذہنی سطح کے بھی ہوتے ہیں ۔ جن کے بارے میں علامہ اقبال مرحوم نے کہا ہے ؎

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مردِ ناداں پر کلامِ نرم و نازک بے اثر

ایسے لوگوں کے لیے ضرورت ہے کہ ان کو خوف بھی دلایا جائے ۔ ان کے دلوں میں باز پرس کا احساس بھی اجاگر کیا جائے ، عذابِ الٰہی سے ان کو خبردار بھی کیا جائے ۔ چنانچہ قرآن مجید میں آپ کو یہ دونوں چیزیں ملیں گی ۔

لیکن یہ ایک امر واقعہ ہے کہ نبیؑ جب آتے ہیں ۔ بلکہ کہنا چاہیے کہ نبی جب تشریف لاتے تھے چونکہ جنابِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوّت کا دروازہ ہمیشہ ہمیش کے لیے بند ہو چکا ۔ تو انبیاء علیہم السلام بگڑے ہوئے ماحول میں تشریف لاتے تھے ۔ اس بگڑے ہوئے ماحول میں محبت کے رمز آشنا اور قدر شناس تو خال خال ہی ہوتے تھے لہٰذا اس ماحول میں لوگ تخویف اور انذار کے زیادہ مستحق ہوتے تھے ۔ یہی وجہ ہے کہ ابتدا میں نبی اکرمؐ کو جو احکام ملے ہیں ان میں انذار پر زیادہ زور ہے ۔ جیسے يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۙ قُمْ فَاَنْذِرْ ۙ

اے لحاف میں لپٹ کر لیٹنے والے (صلی اللہ علیہ وسلم) کھڑے ہو جاؤ، کمربستہ ہو جاؤ اور لوگوں کو خبردار کر دو" ایک جگہ فرمایا: وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ (الشعراء ۲۱۴)
اور (اے نبی) اپنے رشتہ داروں اور قریبی اعزہ کو خبردار کیجئے" تو ابتداً انذار کا پہلو غالب ہے لیکن اصولاً قرآن مجید جس اللہ پر ایمان کی دعوت دے رہا ہے وہ کوئی معاذ اللہ خوفناک ہستی نہیں، بلکہ محبت کرنے والی اور محبت کرنے کے لائق وقابل ہستی ہے۔ اس سے محبت کرو، اُسے چاہو، اس سے لو لگاؤ" وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ۔ جو واقعتاً صاحبِ ایمان ہیں وہ تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شدید محبت کرتے ہیں۔ اور اس کی محبت کی یہ اساسات ہیں جو سورہ فاتحہ کی دو ابتدائی آیات میں ہمارے سامنے آئیں کہ اللہ تعالیٰ تمام محاسن وکمالات کا جامع ہے۔ منبع وسرچشمہ ہے۔ وہ کائنات کا ربّ ہے۔ مالک ہے پروردگار پالن ہار ہے۔ وہ الرحمان الرحیم ہے۔ اِس کی رحمت ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کے مانند بھی ہے۔ اور اس استقرار واستمرار ودوام کے ساتھ بہنے والے دریا کے مانند بھی ہے۔

البتہ تیسری آیت میں دوسرا رخ آ رہا ہے جس کا ذکر میں نے ابھی کیا ہے۔ یعنی انذار۔ فرمایا مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ زندگی محض اِس دنیا کی زندگی تک محدود نہیں ہے۔ بلکہ یہ زندگی ایک امتحان گاہ ہے۔ جس میں آزمائش ہوتی ہے کہ انسان کس طرح زندگی بسر کرتا ہے۔ جیسے سورہ ملک میں فرمایا۔ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا "موت اور زندگی کے اِس کارزار کو اللہ نے پیدا ہی اس لئے کیا ہے۔ کہ تم لوگوں کو آزمائے اور دیکھے کہ تم میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے" لہٰذا اس آزمائش کا لازمی تقاضا ہے کہ جزا وسزا کا ایک دن بھی ہو۔ اور وہ دن بھی آکر رہے گا۔ جس دن لوگوں کو اپنے اعمال کا پورا بدلہ ملے گا۔ ہر انسان کا محاسبہ ہوگا۔ اور اُسے جواب دہی کرنی ہوگی۔ اِس محاسبہ اور حساب وکتاب کے نتیجہ میں جزا یا سزا کے فیصلے صادر ہوں گے۔ یہ سب يَوْمِ الدِّيْنِ۔ جس کے متعلق ہم آیت برّ کے درس میں پڑھ چکے ہیں کہ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ۔ اس بدلہ اور جزا وسزا کے دن کو یوم الدین کہئے۔ یوم الآخر کہئے۔ وہ دن بہرحال واقع ہو کر رہے گا۔ وَاِنَّ الدِّيْنَ لَوَاقِعٌ، جس دن سب کو اللہ تعالیٰ کے حضور ہو کر اپنے اعمال کا محاسبہ پیش کرنا ہے۔ جس کے نتیجہ میں یا جنت ہوگی ہمیشہ کے لئے یا آگ ہوگی دائمی۔ جیسا کہ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم

کے ابتدائی خطبات میں سے ایک خطبہ کے آخر میں ہمیں ملتا ہے کہ: وَاللّٰہِ لَتَمُوْتُنَّ کَمَا تَنَامُوْنَ
اللہ کی قسم تم سب مر جاؤ گے جیسے (روزانہ) سو جاتے ہو"۔ ثُمَّ لَتُبْعَثُنَّ کَمَا تَسْتَیْقِظُوْنَ
پھر تم یقیناً اٹھائے جاؤ گے۔ جیسے (ہر صبح) بیدار ہوتے ہو"۔ ثُمَّ لَتُحَاسَبُنَّ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
پھر لازماً تمہارے اعمال کا حساب کتاب ہوگا۔ ثُمَّ لَتُجْزَوُنَّ بِالْاِحْسَانِ اِحْسَاناً وَّ
بِالسُّوْءِ سُوْءً۔ پھر لازماً تمہیں بدلہ ملے گا اچھائی کا اچھا اور برائی کا برا"۔ اور یہ اس شکل
میں ہوگا۔ وَاِنَّھَا لَجَنَّۃٌ اَبَداً اَوْ لَنَارٌ اَبَداً"۔ اور وہ جنت ہے ہمیشہ کے لئے
یا آگ ہے دائمی"۔

اس فیصلے اور جزا و سزا کے دن کا مالک و مختار صرف اللہ ہے۔ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ
اور اس روز اللہ کے سوا کسی کے پاس کوئی اختیار نہیں ہوگا۔ چنانچہ ایک جگہ قرآن مجید
میں الفاظ آئے کہ اس روز ندا ہوگی کہ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ آج کے دن بادشاہی کس
کی ہے؟ اور پھر جواب میں فرمایا جائے گا: لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ" آج تمام اختیار
کل بادشاہی صرف اللہ کے لئے ہے۔ جو الواحد ہے تنہا ہے اور پوری طرح مسلط ہے
چھایا ہوا ہے۔ مقتدر ہے کہ جو چاہے کرے۔

یہ ہے اس سورہ مبارکہ کا پہلا حصہ جس کے بارے میں، گزشتہ نشست میں
حدیث قدسی کے حوالے سے میں نے آپ کو بتایا تھا کہ ان کلمات کی تاثیر کا یہ عالم ہے کہ ادھر
ندہ کہتا ہے:
الحمد للہ رب العلمین اور اگر دل سے نکلے ہوئے یہ الفاظ ہوں تو فوراً اللہ تبارک و تعالیٰ
جواب میں ارشاد فرماتا ہے حمدنی عبدی "میرے بندے نے میرا شکر ادا
کیا۔ میری حمد کی"۔ جب بندہ کہتا ہے۔ الرحمن الرحیم، اللہ جواب میں فرماتا ہے،
اثنیٰ علی عبدی "میرے بندے نے میری ثناء کی"۔ جب بندہ کہتا ہے۔
مٰلک یوم الدین، تو اللہ فرماتا ہے: مجدنی عبدی، "میرے بندے
نے میری بزرگی کا اظہار کیا میری عظمت بیان کی"
یہ ہے اس سورہ مبارکہ کے پہلے حصے یعنی الحمد للہ رب العلمین، الرحمن الرحیم

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ" کا حاصل ۔ اب اِس ضمن میں کوئی سوال آپ کرنا چاہیں کوئی وضاحت آپ کو مطلوب ہو تو میں حاضر ہوں ۔

سوال : ڈاکٹر صاحب ! آپ نے فرمایا کہ الحمد کا مطلب ہے کہ تمام تعریفیں صرف اللہ کے لیے ہیں تو کیا انبیاء و رسل اور اولیاء اللہ کی تعریف کی نفی نہیں ہو جاتی ؟

جواب : جب ہم کہتے ہیں ۔ الحمد للہ ، تو یہ اس اعتبار سے ہے کہ تمام کمالات و محاسن کا اصل منبع و سرچشمہ اللہ ہے ۔ باقی اس نے جس شے میں کوئی حسن ، کوئی خوبی ، کوئی کمال پیدا فرمایا ہے تو اُس شے کی تعریف اگر آپ یہ سمجھتے ہوئے کریں گے کہ یہ سب کچھ اللہ ہی کا عطا کردہ ہے تو یہ تعریف بھی حقیقت میں اللہ ہی کی تعریف ہوگی ۔ مثلاً اگر آپ کسی پھول کو دیکھ کر کہتے ہیں کہ یہ بہت حسین اور دلکش پھول ہے تو یہ بات غلط نہیں ہوگی ۔ لیکن درپردہ درحقیقت یہ پھول کے صانع و موجد کی ہی تعریف ہوگی جیسا کہ میں نے اپنے بیان کے دوران بھی عرض کیا تھا کہ کسی اچھی تصویر کی تعریف ـــــ دراصل اِس مصوّر کی تعریف ہوتی ہے جس کے فن کا کمال تصویر کی شکل میں سامنے ہوتا ہے ۔ ایک بندۂ مومن کے ایمان کا تقاضا بھی یہی ہے کہ وہ جیسے ہی کسی حسین و جمیل شے کو دیکھے تو اس کی زبان سے بیساختہ نکلے سبحان اللہ ۔ اللہ ہی وہ ذات کامل اور ہر نقص سے منزہ ہستی ہے جس نے یہ خوبصورت چیز تخلیق فرمائی ۔ اسی طریقہ سے اشخاص ہیں ، افراد ہیں ۔ ان میں سے کسی کو اللہ تعالیٰ نے نبی ، رسول ، ولی کا مقام عطا فرمایا ہے ۔ یا کسی کو اعلیٰ اخلاق تقویٰ اور صلاحیتیں ودیعت فرمائی ہیں تو ان کی تعریف اِس کلمۂ الحمد للہ کے منافی نہیں ہے ۔ البتہ شعور اور تحت الشعور میں یہ امر مستحضر رہے کہ تمام محاسن و کمالات کا منبع اور سرچشمہ صرف اللہ سبحانہٗ کی ذات ہے ۔

سوال ، ڈاکٹر صاحب ! بخشش اور سزا کے متضاد تصوّر کو ہم کیسے سمجھ سکتے ہیں ۔ ؟

جواب : ۔ یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے کی نقیض نہیں ہیں ۔ اِس بات کو تو ہم دنیا میں بادشاہی کے نظام سے بھی بخوبی سمجھ سکتے ہیں ۔ ظاہر ہے جو لوگ بادشاہ کے وفادار اطاعت گزار اور فرمانبردار ہوتے ہیں بادشاہ ان کو انعام و اکرام سے نوازتا ہے اور جو بادشاہ کے نافرمان اور باغی ہوتے ہیں ۔ ان کو وہ سزا اور عقوبت دیتا ہے ۔ پس اللہ جو ربّ العلمین ہے ، اس دنیا میں جنہوں نے اس کے اوامر و نواہی کی پابندی کی ہوگی وہ یقیناً آخرت میں مستحق جزا قرار پائیں گے اور جو طاغی و باغی ہوں گے ، جنہوں نے اللہ کی اطاعت سے اعراض

کیا ہوگا۔ روگردانی کی ہوگی وہ مستوجبِ سزا ہوں گے۔ یہ تو نہایت منطقی اور قابلِ فہم بات ہے، اس میں کوئی تضاد یا تقیض نہیں ہے۔ پھر ایک اور پہلو سے سوچئے۔ اگر کسی شخص کو اس کے جرم پر سزا دی جاتی ہے۔ تو یہ اصل میں مظلوم کی دادرسی ہے، اس کی اپنی جگہ اہمیت ہے۔ جہاں اللہ تعالیٰ کی بخشش کی شان نہایت بلند ہے وہاں اللہ تعالےٰ کی طرف سے سزا کا دیا جانا اس اعتبار سے انصاف کا تقاضا ہے کہ جن لوگوں کے حقوق کسی نے دنیا میں غصب یا تلف کئے ہیں، جن پر کسی نے زیادتیاں کی ہیں۔ تو ایسے شخص کو سزا دی جانا بھی حق ہے۔ غور کرنے سے اس کا موقع و محل بھی آپ کی سمجھ میں آجائے گا۔

سوال: ڈاکٹر صاحب! کہا جاتا ہے کہ اللہ ذاتی نام ہے۔ براہ کرم اس کا مفہوم بھی بیان فرمائیں؟

جواب: یہ بہت ہی عمدہ سوال ہے۔ اللہ کے لفظ کے بارے میں ہمارے یہاں اہلِ نحو کے اور آئمہ لغت کے مابین اختلافات ہیں۔ ایک رائے یہی ہے کہ یہ اسم علم ہے، اسم ذات ہے کسی اور لفظ سے نکلا ہوا یا بنا ہوا نہیں ہے۔ جیسے لاہور شہر کا نام لاہور ہے۔ اب اس کے معنی معین کرنے کی حاجت نہیں ہے۔ یہ تو اصل میں ایک شہر کے لئے بطور علامت ایک نام رکھ دیا گیا ہے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ اللہ بھی "الٰہ" پر الف لام داخل ہو کر بنا ہے جیسے اللہ کے دوسرے صفاتی نام بنتے ہیں۔ جیسے رحمان پر الف لام داخل ہو کر الرحمٰن بنا۔ یہ اللہ کا ایک صفاتی نام ہوگیا۔ رحیم ایک صفت ہے، الرحیم اللہ کا نام ہے۔ ایسے ہی "الٰہ" پر الف لام داخل ہوا اور "الالٰہ" بنا۔ اور یہی الالٰہ بدل کر "اللہ" ہوگیا۔ یعنی معبودِ حقیقی۔ اصل اور واقعی الٰہ۔

سوال: ڈاکٹر صاحب! آپ نے حمد کے ایک معنی اللہ کا شکر ادا کرنا بھی بیان کئے ہیں۔ اس بات پر روشنی ڈالیے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر کس کس طرح ادا کر سکتے ہیں۔؟

جواب: جب ہم ان شاء اللہ سورہ فاتحہ کا دوسرا حصہ پڑھیں گے تو اس میں یہ بات واضح ہو جائے گی کہ اللہ تعالیٰ کا شکر کس کس طرح ادا کیا جانا ایک بندہ مومن کے لئے لازم ہے۔ البتہ اس موقع پر میں یاد دلاؤں گا کہ سورۃ لقمان کے دوسرے رکوع کے مطالعہ کے دوران اس پر گفتگو ہو چکی ہے کہ شکر کی اہم ترین صورتیں یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی نوع کا شرک نہ کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا عملاً حق ادا کیا جائے۔ یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری کے دو سب سے بڑے تقاضے ہیں۔

سوال ہے : ڈاکٹر صاحب ! اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی جن چیزوں سے ہمارا دل خوش ہوتا ہے یا جن سے ہمیں کوئی فائدہ یا نفع پہنچتا ہے ۔ تو ہم اللہ کا شکر بجالاتے ہیں اس کی حمد کرتے ہیں لیکن اگر کوئی چیز ایسی ہو جو ہمیں پسند نہ آئے ۔ جو ناگوار ہو یا جن سے ہمیں ضرر پہنچے تو ایسے موقع پر ہمارا طرزِ عمل کیا ہونا چاہیئے ۔ ؟

جواب : بہت اچھا سوال ہے ۔ اصل میں اس مسئلہ کے دو پہلو ہیں ۔ ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے شر محض تو کوئی بھی شے نہیں ہے ۔ کوئی نہ کوئی خیر کا پہلو ہر چیز میں ہے ۔ یہ اور بات ہے کہ ہم اس کا ادراک نہ کر سکیں ۔ البتہ بعض کا ہمیں ادراک ہو گیا ہے ۔ جیسے ہم جانتے ہیں کہ سنکھیا زہر ہے ۔ لیکن ساتھ ہی ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ یہ دوا بھی بن سکتا ہے لہٰذا اگر انسان کی نگاہ وسیع ہے اور اس کا فہم گہرا ہے تو اُسے ہر شے میں اللہ تعالیٰ کی تعریف کا کوئی نہ کوئی پہلو نظر آجائے گا ۔ اس مسئلہ کا دوسرا رخ یہ ہے کہ ہمیں کسی چیز سے خوشی ہوئی یا ناگواری ہوئی ۔ اس سے ہمیں کوئی نفع پہنچا یا نقصان ۔ اس اعتبار سے ہمارا جو طرزِ عمل ہوگا وہ یا شکر کا ہوگا ۔ یا صبر کا ہوگا ۔ شکر اور صبر مل کر ایک بندۂ مومن کے صحیح طرزِ عمل کی تکمیل کرتے ہیں ۔ جو چیز اچھی لگی ، جس سے فائدہ اور نفع حاصل ہوا ۔ اس پر شکر کیجئے ۔ جس چیز سے ناگواری کا احساس ہوا یا نقصان و ضرر پہنچا تو اس پر صبر کیجئے ۔

حضرات ! اس سورہ مبارکہ کا جو پہلا حصّہ تھا ۔ جو تین آیات پر مشتمل ہے ۔ ہم نے اپنی امکانی حد تک آج اس مختصر وقت میں اس کے مفاہیم کو سمجھنے کی کوشش کی ہے ۔ اللہ کرے کہ ہمارے دلوں میں اور ہمارے ذہنوں میں واقعتاً اللہ تعالیٰ کی عظمت کا نقش اسی طور سے قائم ہو جائے جس طور سے ان تین آیات کے مطالعہ سے ہمارے سامنے آیا ہے ۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔

توحید فی العلم یا توحید فی المعرفہ

اور

توحید فی العمل یا توحید فی الطلب

کا

فریضہ اقامتِ دین

سے ربط و تعلق

سورۂ زمر، سورۂ مومن، سورۂ حٰمٓ السجدہ اور بالخصوص
سورۂ شوریٰ کے بعض مقامات کی روشنی میں

ڈاکٹر اسرار احمد

امیر تنظیم اسلامی

کا

خطاب اور درس

ترتیب و تسوید

(شیخ) جمیل الرحمٰن

محترم ڈاکٹر اسرار احمد امیر تنظیم اسلامی ۷ دسمبر ۸۳ء سے ۱۹ دسمبر ۸۳ء تک خطابات، درس قرآن حکیم اور تنظیم اسلامی کے ایک تربیتی پروگرام کے ضمن میں کراچی میں مقیم رہے —— اس دوران شریف آباد فیڈرل بی ایریا عقب الاعظم اسکوائر میں امیر موصوف نے ۱۲ تا ۱۵ دسمبر ۸۳ء کو بعد نماز عشاء علاقہ کی وسیع و عریض مسجد جامع الصفا میں پہلے دن ایک عمومی خطاب فرمایا اور بقیہ دو دن سورۂ شوریٰ کے بعض مقامات کا درس دیا اور اس امر کو واضح فرمایا کہ فریضہ اقامتِ دین توحید فی العلم اور توحید فی العمل کا ذروہ سنام (چوٹی) ہے —— اس خطاب میں یہ مضمون سورۂ زمر، سورۂ مومن، سورہ حٰم السجدہ سے سورۂ شوریٰ کی طرف بتدریج آگے بڑھتا ہے۔۔۔۔ فریضہ اقامتِ دین کے موضوع پر امیر محترم کے متعدد خطابات اور دروس ہو چکے ہیں لیکن اس عاجز کے خیال میں اس موضوع پر موصوف کا حالیہ خطاب اور درس چوٹی کا درجہ رکھتا ہے۔ اور بالکل نئے اسلوب سے دیا گیا ہے، طرزِ استدلال بھی نیا ہے لہٰذا اسے یہ عاجز کیسٹ سے منتقل کر رہا ہے۔ خطاب کی پہلی قسط معمولی حک و اضافہ اور ذیلی و ضمنی سرخیوں کے ساتھ قارئین کرام کی خدمت میں پیش ہے۔ اللہ کی توفیق و نصرت اس عاجز کے شامل حال رہی تو ان شاء اللہ العزیز یہ خطاب اور درس چار پانچ اقساط میں "میثاق" میں پیش ہوگا —— وبید اللہِ التوفیق وعلیہ التکلان

احقر: جمیل الرحمٰن

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم - اما بعد :

فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم   بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ۭ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ۭ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ﴿۱۳﴾

(صدق اللہ العظیم)

اللّٰھم ربنا الھمنا رشدنا واعذنا من شرور انفسنا - اللّٰھم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعہٗ وارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابہٗ - اللّٰھم وفقنا لما تحب وترضیٰ — اما بعد : رب اشرح لی صدری ویسرلی امری واحلل عقدۃ من لسانی یفقھوا قولی

آمین یارب العٰلمین

حضرات وخواتین! آپ کو اعلانات سے معلوم ہو چکا ہے کہ ہمارا پروگرام یہ ہے کہ آج، کل اور پرسوں تین دنوں میں سورہ شوریٰ کے بعض منتخب مقامات کا ہم مطالعہ کریں گے. سورہ شوریٰ کے متعلق اعلانات سے یہ بات بھی آپ کے سامنے آ چکی ہے کہ میرے حقیر مطالعہ کی رو سے یہ سورہ مبارکہ اقامتِ دین کے خاص موضوع پر ایک چوٹی کا درجہ رکھتی ہے۔ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بعض سورتوں کیلئے ذروۂ سنام کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید کی مختلف سورتیں مختلف موضوعات پر چوٹی کے مقام کی حامل ہیں۔ انگریزی میں اسے اس موضوع کے CLIMAX یعنی نقطۂ عروج سے تعبیر کیا جا سکتا ہے. جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں کہ میرے نزدیک اقامتِ دین کے خاص موضوع پر اس سورۂ مبارکہ کو ذروۂ سنام کا مقام حاصل ہے.

مصحف کی ترتیب

آج میں چاہتا ہوں کہ سورۂ شوریٰ کے پیشِ نظر بعض مقامات کے درس سے قبل اس سورت کے بارے میں اور قرآن کی موجودہ ترتیب کے متعلق بعض اہم اور بنیادی باتیں آپ کے گوش گزار کر دوں جو اِن شاء اللہ العزیز قرآن حکیم کے مطالعہ اور اس میں غور و فکر اور تدبّر کے لئے قرآن مجید کے ہر طالب علم اور قاری کے لئے مفید ثابت ہوں گی.

مکیات و مدنیات یہ تو آپ کو معلوم ہی ہوگا کہ سورہ شوریٰ مکی سورت ہے۔ آپ اس بات سے بھی واقف ہوں گے کہ قرآن مجید کا تقریباً دو تہائی حصہ مکی سورتوں پر اور بقیہ تقریباً ایک تہائی حصہ مدنی سورتوں پر مشتمل ہے ـــــ ایسا نہیں ہے کہ قرآن مجید میں پہلے مکی اور بعد میں مدنی سورتیں یکجا جمع کر دی گئی ہوں ـــــ پھر ایسا بھی نہیں ہے کہ مکیات اور مدنیات میں جو نزولی ترتیب ہے اس کے اعتبار سے قرآن حکیم کو مرتب کیا گیا ہو ـــــ یہ بات قرآن مجید کے ہر طالب علم کو معلوم ہے کہ نزولی ترتیب اور ہے اور مصحف کی ترتیب اور ہے ـــــ

ازلی و ابدی ترتیب البتہ یہ بات جان لیجئے کہ اصل میں قرآن حکیم کی ازلی و ابدی ترتیب یہی ہے جو مصحف کی صورت میں ہمارے پاس موجود ہے۔ یہی ترتیب توقیفی ہے اور قرآن مجید کی یہی ترتیب لوح محفوظ کے مطابق ہے۔ البتہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید کا جو نزول ہوا ہے، وہ ایک دوسری ترتیب سے ہوا ہے۔ اُن خاص حالات کے مطابق ہوا ہے جو آں حضورؐ کی دعوت اور آپؐ کی جدوجہد کے دوران آپؐ کو مختلف مواقع پر مختلف مراحل میں پیش آئے۔ لہٰذا ترتیب نزولی کا تعلق خاص حالات سے اور خاص زمانے سے ہے۔ گویا خاص زمان و مکان اس نزول کے پس منظر میں ہیں لیکن جس ترتیب سے قرآن مجید نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم امت کو عطا فرما کر دنیا سے تشریف لے گئے ہیں وہ لوح محفوظ کی ترتیب کے عین مطابق ہے اور یہ ہے ازلی و ابدی ترتیب ـــــ اسی کے مطابق آنحضورؐ کی وفات سے قبل کے رمضان المبارک میں حضرت جبرئیل نے آپؐ کو دو بار قرآن مجید کا دَور کرایا ہے۔

قرآن مجید کا نظم قرآن فہمی اور خاص طور پر اس میں تدبّر کے لئے مصحف کی موجودہ ترتیب، اس کے نظم اور سورتوں کے باہمی ربط و تعلق کو سمجھنا بڑا اہم ہے۔ چنانچہ اس پر ہر دور میں کچھ نہ کچھ کام ہوتا رہا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ قرآن مجید اور اس کی سورتوں کا جو اندرونی نظام اور ان کا جو باہمی ربط و تعلق ہے اس پر برصغیر ہند و پاک کی ماضی قریب کی ایک متقی و متدین شخصیت نے نہایت عمیق تدبّر و تفکّر کیا ہے اور اس نظام اور باہمی ربط و تعلق کو واضح کرنے کے لئے انتہائی قابلِ قدر کام کیا ہے۔ یہ شخصیت تھے مولانا امام حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ جن کا انتقال ۱۹۳۰ء میں ہوا۔ مولانا مرحوم شبلی نعمانی مرحوم کے بہت قریبی عزیز تھے۔ ان دونوں کے مابین ماموں زاد اور پھوپھی زاد بھائیوں کا رشتہ تھا۔ مولانا فراہیؒ نے عربی زبان میں قرآن مجید کے چند اجزاء کی تفسیر بھی لکھی تھی۔ اس کا نام ہی مولاناؒ نے "تفسیر نظام القرآن تجویز

کیا تھا۔ اس کا مقدمہ مولاناؒ نے "مقدمہ تفسیر نظام القرآن" کے عنوان سے تحریر کیا تھا جو نہایت اہمیت کا حامل اور جو میرے نزدیک قرآن فہمی کے لئے بمنزلہ کلید ہے۔ پس مولانا فراہیؒ ہی اس دور کی وہ شخصیت ہیں جنہوں نے قرآن کے نظام پر خصوصی طور پر توجہات کو مرتکز کیا۔

نظام کے لحاظ سے قرآن کے گروپ

مولانا فراہیؒ کے اصولوں پر نظام قرآن کو واضح کرنے کے لئے انؒ ہی کے شاگرد رشید مولانا امین احسن اصلاحی صاحب نے ایک قدم آگے بڑھایا اور اس ضمن میں ایک رائے ظاہر کی ہے جو خاصی وزنی ہے۔ ان کی رائے یہ ہے کہ قرآن حکیم کی جملہ سورتیں سات گروپوں میں منقسم ہیں اور ہر گروپ کی تشکیل اس طرح ہے کہ اس میں آغاز میں ایک یا ایک سے زائد مکی سورتیں ہیں اور ہر گروپ کا اختتام ہوتا ہے ایک یا ایک سے زائد مدنی سورتوں پر ـــــ اس طرح مکیات اور مدنیات مل کر ایک گروپ بن جاتا ہے ـــ پھر مکیات اور مدنیات پر مشتمل دوسرا گروپ مکمل ہوتا ہے۔ وقس علیٰ ذٰلک ـــــ اس طرح قرآن حکیم کے جو سات گروپ بنتے ہیں ان میں سے ہر گروپ کا ایک اپنا مرکزی مضمون ہوتا ہے جسے وہ 'عمود' کہتے ہیں۔ یہ عمود کی اصطلاح شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اختیار فرمائی ہے۔ لیکن یہ کہ قرآن کے سات گروپ ہیں اور ہر گروپ کا اپنا ایک عمود یعنی مرکزی مضمون ہے تو یہ مولانا اصلاحی کی اپنی تحقیق اور تدبر کا نتیجہ ہے جو اس دور میں ہمارے سامنے آیا ہے۔ مولانا اصلاحی کی تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ ہر گروپ کے مرکزی مضمون یا عمود کے دو رُخ ہیں ـــ جیسے ہم کہتے ہیں تصویر کے دو رخ ـــ تو ایک رُخ مکیات میں بیان ہوتا ہے اور دوسرا رُخ مدنیات میں اور اس طرح یہ دونوں رُخ مل کر اس گروپ کے عمود یا مرکزی مضمون کی تکمیل کر دیتے ہیں۔

اس طرح جو سات گروپ بنتے ہیں۔ ان میں سے پہلے گروپ میں مکی سورت صرف ایک ہے اور وہ ہے سورۂ فاتحہ ـــ یہ سورت مختصر ہے اور صرف سات آیات پر مشتمل ہے، اگرچہ اپنے مضامین کی جامعیت کے اعتبار سے اسے 'قرآنِ عظیم' بھی کہا گیا ہے۔ گویا یہ سورہ خود اپنی جگہ ایک مکمل قرآن ہے ـــ اسے اُم القرآن بھی کہا گیا اور اساس القرآن بھی ـــ اس کو شافیہ اور کافیہ کے ناموں سے بھی موسوم کیا گیا۔ اس سورہ کے مختلف نام اس کی جامعیت و عظمت کے اظہار کے لئے رکھے گئے ہیں۔ حالانکہ حجم کے اعتبار سے وہ بہت چھوٹی سورت ہے جبکہ اس پہلے گروپ میں چار نہایت طویل مدنیات شامل ہیں یعنی سورۃ بقرہ

سے لے کر سورہ مائدہ تک ۔ قرآن مجید کے تقریباً چھ پارے ہیں جو ان چار سورتوں پر مشتمل ہیں ۔۔۔ دوسرے گروپ میں دو بڑی مکی سورتیں انعام اور اعراف اور اس طرح دو بڑی مدنی سورتیں انفال اور توبہ شامل ہیں ۔ تیسرے گروپ میں پہلی چودہ سورتیں سورہ یونس سے سورۂ مومنون تک مکی ہیں اور آخر میں صرف ایک مدنی سورت 'سورہ نور' شامل ہے یہ بھی چھ پاروں کے لگ بھگ گروپ بنتا ہے ۔۔۔ چوتھا گروپ سورۂ فرقان سے سورۂ احزاب پر ختم ہوتا ہے ۔ اس میں بھی ابتدا میں آٹھ مکی سورتیں ہیں اور آخر میں صرف ایک مدنی سورت 'سورۂ احزاب' ہے ۔۔۔ پانچواں گروپ سورۂ سبا سے شروع ہو کر سورۂ حجرات پر ختم ہوتا ہے ۔ اس میں ابتدا میں تیرہ مکی سورتیں اور اختتام پر تین مدنی سورتیں شامل ہیں ۔۔۔ پھر چھٹا گروپ سورہ قٓ سے شروع ہو کر سورہ تحریم پر ختم ہوتا ہے اس میں پہلی سات سورتیں مکی اور اس کے بعد سورۂ حدید سے لے کر سورۂ تحریم تک دس سورتیں مدنی ہیں ۔ یہ وہ واحد گروپ ہے جس میں مدنیات کی تعداد مکیات سے زیادہ ہے ۔۔۔ آگے چلئے پھر سورہ الملک سے سورہ الناس تک ساتواں گروپ ہے ۔ اس گروپ میں چند سورتیں مستثنیٰ ہیں جو مدنی ہیں باقی کل کی کل سورتیں مکیات پر مشتمل ہیں ۔

مکیات کے مرکزی مضامین و موضوعات

اب ہمیں یہ سمجھنا ہوگا کہ مکیات کے مرکزی مضامین و موضوعات کیا ہیں ۔ ! اس ضمن میں پہلی بات تو یہ ہے کہ مکی سورتوں کا اصل موضوع ہے ایمان ۔۔۔ پہلے اسی کو پختہ کیا گیا ہے اس لئے کہ ایمان پر ہی اسلام کا دار و مدار ہے ۔ ایمان کی حیثیت جڑ کی ہے اور اسلام کی حیثیت درخت کی ہے ۔۔۔ اور اعمال صالحہ اسی ایمان اور اسلام کے ثمرات ہیں ۔ لہٰذا بنیادی حیثیت جڑ ہی کو حاصل ہوتی ہے جس پر درخت قائم ہوتا اور برگ و بار لاتا ہے ۔ یا یوں سمجھئے کہ جیسے ایک عمارت ہے اس کی ایک بنیاد ہے اور اس پر تعمیر ہے ۔ نظر تو عمارت آتی ہے لیکن ظاہر ہے کہ اس عمارت کے استحکام کا سارا دار و مدار بنیاد پر ہے اور وہ زیر زمین ہے نظر نہیں آتی ۔۔۔ پس معلوم ہوا کہ اصل شے ایمان ہے ۔ یہ ایمان ہی اصل موضوع ہے ۔ تمام مکی سورتوں کا ۔۔۔

ایمان کے اہم اجزا

البتہ ایمان کے تین اجزاء ہیں ۔ ایمانؔ باللہ یا توحید ۔ ایمانؔ بالرسالت اور ایمانؔ بالمعاد یا ایمان بالآخرۃ ۔۔۔ ان تینوں اجزاء کی مکی سورتوں میں مختلف اسالیب سے دعوت و تبلیغ اور تعلیم و تفہیم ہے ۔ میں آگے عرض کروں گا کہ ان کے اعتبارات

سے ان گروپوں میں تقسیم کیا ہے! ___ لہٰذا مکیات کا سب سے بڑا موضوع تو ہو گیا ایمان۔

بنیادی اخلاقیات دوسرا بڑا اور اہم مضمون مکّی سورتوں کا بنیادی اخلاقیات سے متعلق ہے۔ سچائی ہے، ہمدردی ہے، بھوکوں کو کھانا کھلانا ہے، یتیموں سے حسنِ سلوک ہے، حاجت مندوں کی دستگیری ہے، ماپ اور تول میں دیانت ہے، معاملات میں امانت ہے، ایفائے عہد ہے، صلہ رحمی ہے، والدین سے حسنِ سلوک ہے، زنا سے اجتناب ہے، عصمت و عفت کی حفاظت ہے، تبذیر و اسراف سے بچنا ہے، چغل خوری، بہتان تراشی، شیخی و تکبر اور تفاخر و تکاثر سے پرہیز ہے، قتل ناحق بالخصوص نومولود بچیوں کو موت کے گھاٹ اتارنے پر نکیر ہے، غلاموں پر شفقت یا ان کی آزادی کی ترغیب ہے۔ ان اخلاقیات کی تعلیم و تلقین کا بھی کثرت سے مکیات میں مختلف اسالیب سے شد و مد کے ساتھ ذکر ہے۔ مکّی سورتوں میں ان چیزوں پر آپ کو زور Emphasis ملے گا ___ لیکن مکیات میں آپ کو شریعت کے احکام نہیں ملیں گے۔ حلال و حرام کیا ہے! ان کا ذکر مدنی سورتوں میں آئے گا ___ مکیات میں تو ایمان کی دعوت اور بنیادی اخلاقیات کی تعلیم و تلقین ملے گی۔ ان اخلاقیات کی جو مکّہ والوں کے نزدیک بھی متفق علیہ تھے اور کوئی انسان بھی دنیا میں ایسا نہیں ہوگا جو یہ تسلیم نہ کرے کہ سچ بولنا اچھا ہے، جھوٹ بولنا بُرا ہے۔ کوئی انسان ایسا نہیں ہوگا جو یہ نہ کہے کہ وعدہ وفا کرنا اچھائی ہے اور وعدہ خلافی بُرائی ہے۔ وقس علیٰ ھذا! تو معلوم ہوا کہ دنیا کے متفق علیہ اخلاقی اصول اور اقدار کی تعلیم و تلقین بھی ہے جو آپ کو مکّی سورتوں میں ایمان کی دعوت کے ساتھ ملے گی۔

قصص الانبیاء والرسل تیسرا جو بڑا مضمون مکّی سورتوں میں ہے وہ ہے انبیاء و رسل کے حالات و واقعات ___ ان میں بھی ایک فرق ہے۔ انبیاء کرام (علیہم السلام) کے جو واقعات و حالات بیان ہوئے ہیں، وہ بنیادی اخلاقیات کے ذیل میں آئے ہیں ___ رسولوں (علیہم السلام) کے جو واقعات و حالات آئے ہیں، وہ اس کام کے لئے آئے ہیں جن کو امام الہند شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے "التذکیر بایّام اللّٰہِ" کا عنوان دیا ہے۔ یاد دہانی کرانا اللہ کے دنوں کے حوالے سے ___ یعنی جن قوموں کی طرف اللہ کے رسول مبعوث ہوئے اور ان قوموں نے ان رسولوں کی دعوتِ توحید کو قبول نہیں کیا، اسے رد کر دیا تو وہ قومیں ہلاک کر دی گئیں ___ نسیاً منسیاً کر دی گئیں۔ ان کا نام و نشان مٹا دیا گیا۔ جیسے قوم نوح ہے، قوم ثمود ہے، قوم عاد ہے ___ قوم لوط ہے، قوم شعیب ہے اور آلِ فرعون ہے ___ ان چھ اقوام کا ذکر بار بار قرآن مجید میں

آیا ہے۔ جو حضرات قرآن حکیم کو پڑھنے والے ہیں ان کو معلوم ہے کہ ان چھ رسولوں کا جو ان قوموں کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے یعنی حضرتِ نوح، حضرتِ ھود، حضرتِ صالح، حضرتِ لوط، حضرت شعیب اور حضرت موسیٰ علیہم السلام ۔ تو ان کا ذکر مختلف اسالیب اور مختلف سیاق و سباق میں اس اعتبار سے تکرار و اعادہ کے ساتھ مکی سورتوں میں آتا ہے کہ ان کے حالات تمہارے لئے مثال و نشانِ عبرت ہیں ان سے سبق لو کہ ان رسولوں کی قوموں نے ان کی دعوت کو قبول نہ کیا تو وہ ہلاک کر دی گئیں ۔۔۔ اگر تم نے بھی ان ہی کا سا رویہ اختیار کیا تو تم بھی اس دنیا میں بھی عذاب الٰہی سے دو چار ہو گے اور آخرت میں بھی عذابِ دائمی تمہارا مقدر ہو گا۔

جن حضرات کو مطالعۂ قرآن سے دلچسپی ہے میں چاہتا ہوں کہ اس موقع پر ان کے لئے دو اصطلاحات کا فرق بھی واضح کر دوں ۔۔۔ ایک اصطلاح ہے 'قصص النبیین'۔ نبیوں کے حالات کو قصص قرار دیا گیا ہے۔ رسولوں کے حالات کے لئے دوسری اصطلاح آتی ہے اور وہ ہے 'انباء الرسل' ۔۔۔ 'انبا' بڑی اہم خبر کو کہتے ہیں۔ انباء الرسل کے معنی ہوں گے 'رسولوں کی بہت اہم خبریں'۔ یعنی پوری پوری قوموں کا ہلاک کر دیا جانا کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا جن کے متعلق قرآن مجید کہتا ہے : كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا 'وہ ایسے ہو گئے جیسے کبھی تھے ہی نہیں' کبھی بستے ہی نہیں تھے'۔۔۔ لَا يُرٰٓى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ "اب ان کے مسکن رہ گئے ہیں، کھنڈرات ہیں' ان میں بسنے والے کہیں نظر نہیں آتے'۔۔۔ کہیں فرمایا: قطع دابر القوم الذین ظلموا ۔۔۔" ان ظالم قوموں کی جڑ کاٹ دی گئی"۔ یہاں یہ بھی نوٹ کر لیجئے کہ قرآن میں "ظلم" کا لفظ عموماً شرک کے لئے استعمال ہوا ہے۔ جیسے : اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۔۔۔ معلوم ہوا کہ یہ بڑے اہم واقعات ہیں تو ان کو قرآن کہتا ہے 'اَنْبَآءُ الرُّسُلِ' ۔۔۔ اور جن انبیاء کرام کے واقعات و حالات میں ان قوموں کی ہلاکت کا ذکر نہیں ہے بلکہ ان نبیوں کے مضبوط کردار، ان کی پاکیزہ سیرت، ان کی صداقت و دیانت، ان کی امانت، ان کی عصمت، ان کی عفت اور ان کے صبر و ثبات کا ذکر ہے۔ جیسے حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے واقعات و حالات سورۂ یوسف میں بیان ہوئے ہیں تو ان کو قرآن کہتا ہے قصص ۔۔۔ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۔۔۔ یہ ہے سورۂ یوسف ۔۔۔ اور سورۂ ھود کے آخر میں آتا ہے کہ یہ انباء الرسل ہیں جو ہم اے نبی ! آپؐ کو سنا رہے ہیں تاکہ اس کے ذریعہ سے (اے نبیؐ) ہم آپؐ کے دل کو جما دیں اور تسلی دیں اور (اے نبیؐ) اس سورت میں آپؐ کے

حق آیا ہے اور اس میں نصیحت اور یاد دہانی ہے ایمان والوں کے لئے : وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ ۚ وَجَاءَكَ فِي هَٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَذِكْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ۝ یعنی جن حالات سے اے نبیؐ! آپؐ کو اور آپؐ کے صحابہ کرامؓ کو دوچار ہونا پڑ رہا ہے وہی حالات سابقہ رسولوں کو بھی پیش آئے تھے لیکن بالآخر اللہ کی نصرت ان رسولوں کے شامل حال ہوئی، وہ سربلند ہوئے اور وہ قومیں جنہوں نے ان کی تکذیب کی، ان کا استہزاء کیا، تمسخر کیا، ان کی دعوتِ ایمان سے اعراض کیا وہ ہلاک و برباد کر دی گئیں۔

میں نے جن تین اہم مضامین کا ذکر کیا ہے اکثر و بیشتر مکی سورتوں میں مشترک ہیں، ان کا اعادہ کر لیجئے یعنی نمبر ایک : دعوتِ ایمان ــ ایمان میں توحید، رسالت اور آخرت ــ نمبر دو: بنیادی اخلاقیات کی تعلیم و تلقین ــ نمبر تین : قصص النبیین، جن کا تعلق بنیادی اخلاقیات سے ہے اور انباء الرسل، جن کا تعلق دعوتِ ایمان سے ہے ــ یہ ہیں مکیات کے بنیادی مضامین۔

گروپوں میں مضامین کی تقسیم

البتہ ان میں ایک اور تقسیم بھی ہے۔ میں نے مکی سورتوں کے جو گروپ آپ کو گنوائے تھے ان میں سے پہلے گروپ میں صرف مکی سورت، سورۂ فاتحہ ہے، وہ تو پورے قرآن کا دیباچہ اور مقدمہ ہے۔ اس کے بعد اس گروپ میں پانچ مدنی سورتیں ہیں۔ باقی رہ گئے چھ گروپ ــ ان میں آپ دیکھیں گے کہ دوسرے اور تیسرے گروپ کی مکی سورتوں میں زیادہ زور ایمان بالرسالت پر ہے۔ سورۂ انعام و سورۂ اعراف جو دوسرے گروپ کی مکیات ہیں ان میں اور تیسرے گروپ میں سورۂ یونس سے لے کر سورۂ مومنون تک ــ ویسے جو تین بنیادی مضامین میں نے گنوائے ہیں وہ بھی ان مکی سورتوں میں ملیں گے لیکن ان گروپوں کی سورتوں میں خاص زور (Emphasis) رسالت پر ملے گا۔ ان کا اصل عمود اور مرکزی مضمون رسالت ہے۔ اس کے بعد چوتھے گروپ میں سورۂ فرقان سے لے کر سورۂ حٰمٓ السجدہ تک آٹھ سورتیں۔ پھر پانچویں گروپ میں سورۂ سبا سے لے کر سورۂ احقاف تک تیرہ سورتیں ہیں۔ ان اکیس سورتوں کا مرکزی مضمون یا عمود توحید ہے۔ ان میں بھی پہلے مضامین موجود ہیں لیکن اصل زور توحید پر ہے۔ آخری جو دو گروپ ہیں ان میں چھٹے گروپ میں مکیات سورۂ قٓ سے لے کر سورۂ واقعہ تک اور ساتویں گروپ یعنی سورۂ ملک سے جو مکیات کا طویل سلسلہ ہے اس میں چند سورتوں کو چھوڑ کر ان کا مرکزی مضمون یا عمود ہے آخرت۔ انذار، آگاہ کرنا، خبردار کرنا کہ یہ دنیا فانی ہے۔ اصل زندگی آخرت کی زندگی

ہے۔ جس میں اس دنیا کی زندگی کے تمام اعمال ہی کا نہیں بلکہ نیتوں اور ارادوں کا بھی حساب کتاب ہوگا۔ جواب وہی کرنی ہوگی پھر عدالتِ الٰہی سے جزا و سزا کے فیصلے صادر ہوں گے۔ یا جنت ہوگی ہمیشہ کے لئے یا آگ ہوگی دائمی ــــ ان ہی گروپوں میں یہ سورتیں ملتی ہیں: اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ۝ کہیں فرمایا: اَلْحَآقَّةُ ۝ مَا الْحَآقَّةُ ۝ کہیں آگاہ کیا گیا: اَلْقَارِعَةُ مَا الْقَارِعَةُ ۝ اسی طرح سے: عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ۝ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ۝ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ ۝ اور هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ۝ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ۝ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۝ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ۝ تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ۝ ــــ تو آخری ان دو گروپوں کی مکیات میں زیادہ زور ہے انذارِ آخرت پر ــــ درمیانی دو گروپوں کا مرکزی مضمون ہے توحید ــــ اور ابتدائی دو گروپوں کی مکیات میں جس پر زیادہ زور ہے، وہ ہے رسالت ــــ

اب آگے چلئے۔ مجھے اندازہ ہے کہ جن حضرات کو قرآن مجید کی ترتیب سے تعارف نہیں ہے، ان کو یہ باتیں قدرے بھاری معلوم ہونگی لیکن میں اصل میں یہ تمہید بنا رہا ہوں اور آپ کو رفتہ رفتہ سورۂ شوریٰ کی طرف لا رہا ہوں۔ میں نے ابھی درمیانی جو اکیس سورتیں آپ کو گنوائیں سورۂ فرقان سے لے کر سورۂ حٰمٓ السجدۃ تک یہ ہیں آٹھ سورتیں ــــ سورۂ سبا سے لے کر سورۂ احقاف تک یہ ہیں تیرہ سورتیں۔ ان دونوں گروپوں کی ان اکیس سورتوں کا مرکزی مضمون توحید ہے۔ اب ایک عجیب نکتہ آپ کو بتا رہا ہوں وہ یہ کہ ان اکیس سورتوں میں درمیانی سورت کونسی ہوگی؟ ظاہر ہے کہ گیارہویں۔ دس اِدھر دس اُدھر۔ تو گیارہویں سورت سورۂ یٰسٓ ہے جس کو جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے قلب القرآن قرار دیا۔ سورۂ یٰسٓ قرآن کا دل ہے۔ اس لئے کہ اصل موضوع تو توحید ہی ہے۔ ہمارا دین، دین توحید ہے۔ رسالت بھی اسی لئے ہے کہ توحید کی طرف دنیا کو دعوت دے۔ آخرت کا انذار بھی اسی لئے ہے کہ لوگ شرک سے باز آجائیں، اس سے کلیتہً اجتناب کریں اور توحید کو اختیار کریں اور صرف اسی کا التزام کریں۔ اور سورۂ یٰسٓ میں یہ تینوں مضامین نہایت جامعیت، بلاغت اور ایجاز و اعجاز کے ساتھ آجاتے ہیں۔

پس معلوم ہوا کہ دین کی اصل، اس کی جڑ، اس کی بنیاد ہے ہی توحید ــــ اس کی ضد سے سب سے بڑی گمراہی شرک ہے۔ شرک وہ گناہ ہے جس کے بارے میں سورۂ نساء میں دو مرتبہ فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ــــ لہٰذا یہ جو اکیس سورتیں ہیں، جو توحید کے موضوع پر نہایت اہمیت کی حامل ہیں۔ ویسے تو

آیۃ الکرسی ہے سورۂ بقرہ میں جس کو آں حضورؐ نے قرآن کی تمام آیات کی سرتاج قرار دیا ـــــ آخری پارے میں سورۂ اخلاص ہے جس کو نبی اکرمؐ نے ایک ثلث قرآن کے مساوی قرار دیا ـــ اس کا مطلب یہ ہے کہ توحید کے موضوع پر آیتوں میں سے جامع ترین آیت، آیۃ الکرسی ہے اور سورتوں میں سے جامع ترین سورت سورۂ اخلاص ہے ـــ لیکن گرویوں کی حیثیت سے ان اکیس سورتوں کو توحید کے موضوع پر مرکزیت حاصل ہے ۔

توحید کے دو حصے اب میں ایک اہم بات آپ سے عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ توحید کے دو حصے ہیں ۔ یہ بات شاید کچھ حضرات کے لئے اچنبھے والی ہو لیکن جب آپ میری گفتگو سنیں گے تو ان شاء اللہ تعالیٰ یہ بات انوکھی معلوم نہیں ہوگی ۔ اس بات کی بنیادیں اور اس کے اجزاء آپ حضرات کے ذہنوں میں موجود ہیں ۔ میں ان کو ایک ترتیب سے آپ کے تحت الشعور سے شعور کی سطح پر لانے کی کوشش کروں گا ـــ یہ بات کہ توحید کے دو حصے ہیں، میں اپنی طرف سے عرض نہیں کر رہا بلکہ یہ بات امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے پیش کر رہا ہوں ۔ انہوں نے یہ تقسیم کی ہے اور یہ بڑی پیاری تقسیم ہے ـــــ

توحیدِ علمی امام مرحومؒ کے قول کا حاصل یہ ہے کہ ایک توحید ہے علمی توحید، توحید فی المعرفۃ یا توحید فی العقیدہ ـــ اللہ کو ایک جاننا، ایک ماننا، اللہ کی ذات میں کسی کو شریک نہ ٹھہرانا ۔ اللہ کی صفات میں کسی کو ساجھی قرار نہ دینا ۔ کسی کو اس کا ضد یا ند، یا ہم پلہ، ہمسر یا ند مقابل نہ بنانا ۔ پس توحید فی الذات اور توحید فی الصفات ان دونوں کو جمع کریں گے تو یہ ہوگی علمی توحید ـــ معرفتِ الٰہی کی توحید ۔ یہ توحید ہوگی عقیدے کی توحید ـــ دوسری توحید ہے توحید عملی ۔ اس کو امام ابن تیمیہؒ نے توحید فی الطلب کا جامع عنوان دیا ہے ـــ وہ یہ ہے کہ انسان فی الواقع ایک ہی اللہ کا بندہ بن جائے ۔ اس کی بندگی اور پرستش صرف اللہ ہی کے لئے خالص ہو جائے جو الاحد ہے ـــ ایک خطبہ نبویؐ میں الفاظ آتے ہیں : وَحِّدُوا اللّٰہَ فَاِنَّ التوحید راس الطاعات ۔ اب یہاں 'وَحِّدُوْا' صیغہ امر ہے اور یہ باب ہے باب تفعیل ـــــ

بابِ تفعیل کا خاصہ توحید اسی باب تفعیل سے ہے اور تفعیل کا خاصہ یہ ہے کہ کوئی کام بڑی محنت سے، بڑے اہتمام سے، بڑے استقلال و استقرار سے کیا جاتا ہے تو اس کے لئے لفظ باب تفعیل سے آتا ہے ـــ جیسے اعلام

کے معنی ہیں کسی کو کچھ بتا دینا اور تعلیم کے معنی ہیں کسی کو کچھ سکھانا۔ اب بتانے اور سکھانے میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ آپ ایک دفعہ بتا کر فارغ ہوئے۔ اب کوئی سمجھے یا نہ سمجھے، اس کے پلّے کچھ پڑے یا نہ پڑے۔ آپ کی ذمہ داری نہیں ہے۔ ابلاغ کے معنی بھی صرف پہنچانے کے ہیں لیکن تبلیغ کے معنی ہوں گے محنت سے، اہتمام سے، دلیل سے، تدریج سے کوئی بات کسی تک پہنچانا۔ اب تعلیم اور تبلیغ میں آپ کو سخت مشقت کرنی پڑتی ہے۔ Hammer کرنا پڑتا ہے ایک بات کو ذہن میں اتارنا پڑے گا۔ کوئی بات ایک مرتبہ سمجھ میں نہیں آئی تو اسے بار بار سمجھانا پڑے گا۔ اس کی توضیح کرنی ہوگی، تبیین کرنی پڑے گی۔ بڑی محنت سے کسی کے ذہن میں کوئی بات اتارنی اور بٹھانی ہوگی۔ یہ تعلیم ہے۔ اسی طرح محنت، لگن کے ساتھ دعوت پہنچانے سے تبلیغ کا حق ادا ہوگا۔ امید ہے کہ اس وضاحت سے اعلام اور ابلاغ اور تعلیم و تبلیغ میں جو زمین و آسمان کا فرق ہے وہ آپ کی سمجھ میں آگیا ہوگا۔

انزال اور تنزیل کا فرق باب تفعیل کے خاصّے کے متعلق ایک مثال اور پیش کرتا ہوں۔ انزال کے معنی ہیں دفعتاً اتارنا۔ لیکن جب یہ لفظ باب تفعیل میں تنزیل بنے گا تو اس کے معنی ہوں گے تھوڑا تھوڑا کر کے ٹھہر ٹھہر کر تدریج سے اتارنا۔ پورا قرآن مجید رمضان میں لیل القدر میں دفعتاً واحدہ لوح محفوظ سے اتر کر اسمائے دنیا تک آگیا۔ یہ ہے انزال۔ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ اور اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ۝ اب سمائے دنیا سے آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جو نازل ہوا تو وہ بیک وقت نازل نہیں ہوا۔ بلکہ تنزیلاً نازل ہوا۔ الٓمّٓ ۝ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اور وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ سورۂ یٰسٓ میں فرمایا: تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ۝ سورۂ زمر شروع ہوتی ہے اسی تنزیل کے ذکر سے: تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝ سمائے دنیا تک قرآن کے نزول کی شان ہے شانِ انزالی اور جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ مبارک پر نزولِ قرآن کی شان ہے شانِ تنزیلی۔ تھوڑا تھوڑا، ضرورت کے مطابق حالات و واقعات کی مناسبت سے قرآن کا نزول بہ تنزیل ہے۔

توحید کیا ہے باب تفعیل کے خاصّے کو پیشِ نظر رکھ کر اب آپ لفظ توحید پر غور کیجئے۔ جس کا مطلب و مفہوم ہوگا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کو ذات و صفات کے لحاظ سے احد ماننا اور جاننا۔ آپ کو اندازہ ہوگا کہ توحید اختیار کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ دائمی طور

پر اللہ کو ایک جان اور ایک مان کر استقلال و استقرار کے ساتھ اس کی پیہم اطاعت کے لئے محنت کرتے رہنا بڑا مشکل کام ہے۔ اس موقع پر مجھے یہ شعر یاد آرہا ہے کہ ؎

فرشتے سے بہتر ہے انسان بننا مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ

پس توحید کے لئے بڑی محنت و مشقت کی ضرورت ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ ایک لکیر کھینچی ہوئی تھی۔ پالا بنا ہوا تھا اور کوئی اِدھر سے اُدھر آ گیا تو اسے توحید کی دولت مل گئی۔ اس طرح اسلام تو مل سکتا ہے یعنی ایک شخص قانونی طور پر مسلمانوں میں شامل ہو جائے گا۔ لیکن یہ کہ وہ موحد بن گیا تو یہ خام خیالی ہے۔ اسی لئے نبی اکرمؐ خطبے میں ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ : وَحِّدُوا اللّٰه ـــ اللہ کی توحید واقعتاً اختیار کرو جیسے کہ اس کا حق ہے۔

توحیدِ عملی

زندگی کے عملی میدان میں توحید اختیار کرنا توحید علمی سے بھی زیادہ بڑا مشکل کام ہے۔ اس توحید فی العمل کو امام ابن تیمیہؒ توحید فی الطلب' کہتے ہیں۔ یہ بڑی کٹھن وادی ہے اسے عبور کرنا بڑے عزم اور حوصلہ کا کام ہے ـــ یہ توحید عملی درحقیقت پانچویں گروپ میں سورہ سبا سے لے کر سورہ احقاف تک کی تیرہ مکّی سورتوں میں سے چار سورتوں کا مرکزی موضوع ہے۔ یہ چار سورتیں ہیں۔ سورہ زُمَر۔ سورہ مومنؔ۔ سورہ حٰمٓ السجدہ اور سورہ شوریٰ ـــ ان چار سورتوں میں تدریجاً توحید عملی کا مضمون سامنے آتا ہے ـــ میں بھی اس میں یہ تدریج رکھوں گا کہ میں پہلے سورہ زمر کی چند آیات آپ کو سناؤں گا۔ پھر سورہ مومن کی چند آیات۔ پھر سورہ حٰمٓ السجدہ کی ایک آیت کی طرف آپ کی توجہ دلاؤں گا۔ پھر ہم مطالعہ کریں گے سورہ شوریٰ کی آیت نمبر ۱۳ کا جس کی تلاوت سے آج کی اس گفتگو کا آغاز ہوا ہے ـــ

توحیدِ عملی کے مدارج

پہلا درجہ: انفرادی توحید

توحیدِ عملی کا پہلا درجہ یہ ہے کہ انسان کے انفرادی عمل میں توحید آجائے۔ انفرادی شخصیت فی الواقع توحید کے رنگ میں رنگی جائے۔ واقعتاً انسان اللہ کا بندہ بن جائے جیسا کہ اس کا بندہ بننے کا حق ہے۔ پھر اس کی بندگی میں کسی اور کی بندگی کا شائبہ نہ ہو۔ وہ بندگی خالص بندگی ہو اللہ کی ـــ اللہ کے سوا کسی اور کا کہنا مانا جا رہا ہو۔ اللہ کے حکم کے خلاف کسی اور کا حکم بجا لایا جا رہا ہو تو یہ توحید نہیں ہے۔ بغاوت اور سرکشی ہے۔ طغیان ہے۔ لیکن اگر اللہ کے حکم کے تابع کسی کا حکم مانا جائے اس سے آزاد ہو کر نہ مانا جائے تو یہ توحید ہے۔ اس طرح اگر انسان اپنی انفرادی زندگی میں حقیقی طور پر اللہ کا بندہ بن

جائے تو یہ ہے انفرادی توحید عمل کے اعتبار سے ـــ اسی انفرادی عملی توحید کا ایک اہم پہلو ہے ' توحید فی الدعا ' ـــ اس لئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ الدعاء مخ العبادۃ ـــ " دعا ہی عبادت کا جوہر ہے " ایک موقع پر حضورؐ نے ارشاد فرمایا: الدعاء ھو العبادۃ ـــ " دعا ہی اصل عبادت ہے " مطلب یہ ہے کہ انسان حاجت روائی ' دستگیری اور اعانت و امداد کے لئے غیب میں سے جس کو پکارتا ہے ' وہ ہی اس کا اصل معبود ہے ۔ پس توحید فی العبادۃ اور توحید فی الدعا یہ انفرادی توحید کا پہلا درجہ ہے ۔

دوسرا درجہ : اجتماعی توحید اب انفرادی سطح اور انفرادی وجود سے جو توحید نکلے گی وہ لازماً متعدی ہوگی ۔ جیسا کہ میں نے پہلے بھی کئی مرتبہ مثال دی ہے کہ اگر کسی جگہ آگ ہے اور اس میں حرارت ہے تو یہ حرارت آگ میں محدود نہیں رہتی بلکہ وہ ماحول میں سرایت کرتی ہے ـــ یا آپ آگ پر کوئی چیز رکھیں گے یا اس میں ڈالیں گے تو وہ چیز بھی گرم ہو جائے گی ۔ اسی طرح برف میں ٹھنڈک ہے تو وہ برف تک محدود نہیں رہے گی وہ بھی ماحول میں سرایت کرے گی ۔ آپ برف کو پانی میں ڈالیں گے تو برف پانی کو بھی ٹھنڈا کرے گی ' یہ قانون طبعی ہے ـــ اسی مثال سے سمجھئے کہ اگر کسی فرد کے اندر توحید فی الواقع جاگزیں ہو جائے اور وہ راسخ ہو ' پختہ ہو ' مضبوط ہو اور حقیقی ہو ' دھوکے اور فریب کی نہ ہو یعنی بظاہر تو بڑے موحد ہونے کے مدعی ہوں اور باطن یعنی دل میں صنم خانے آباد ہوں تو اس حقیقی اور خالص توحید کو لازماً ماحول میں سرایت کرنا چاہیئے ـــ

باطن کے اصنام بُرا نہ مانیئے گا ۔ میں اب چند تلخ حقائق آپ کے سامنے لانا چاہتا ہوں ہمارے معاشرے میں کچھ لوگ ہیں جو موحد خالص ہونے کے دعویدار ہیں وہ قبر پرستی اور اس نوع کے مختلف مشرکانہ و مبتدعانہ افعال کی تو بڑی مذمت کرتے ہیں ۔ بات بالکل صحیح ہے ۔ ان کی مذمت ہونی چاہیئے ' یہ کام قطعی غلط نہیں ہے ۔ بلکہ مفید ہے لیکن ان میں سے اکثر حضرات کا خیال اور دھیان اس طرف نہیں جاتا کہ دولت پرستی بھی شرک ہے ۔ اگر حصول دولت میں حلال و حرام کی تمیز ختم ہو گئی تو معلوم ہوا کہ دولت معبود ہے ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تعس عبد الدینار وعبد الدرھم ۔ " ہلاک ہو جائے دینار اور درہم کا بندہ " ۔ اس کا ایک ترجمہ یہ بھی ہوگا کہ " ہلاک ہو گیا دینار و درہم کا بندہ " ۔ غور کیجئے دینار و درہم کا بندہ کون ہے ـــ ؟ آں حضورؐ نے لفظ کونسا استعمال فرمایا ' عبد ۔ اس لئے

کہ جس شخص کے دل میں دولت کی محبت اتنی ہے کہ وہ اسی تگ و دو میں لگا رہتا ہے کہ دولت ہر حال میں اس کے پاس آنی چاہیئے۔ اسے اس بات سے کوئی غرض نہیں کہ حلال سے آئے یا حرام سے آئے۔ جائز سے آئے یا ناجائز سے آئے۔ صحیح سے آئے یا غلط سے آئے ــــ دولت کی اس محبت کا مطلب یہ ہے کہ اس کا معبود دولت ہے۔ فرق اتنا ہی ہے کہ ہندوؤں نے دولت کی ایک دیوی تراشی ہوئی ہے جس کا نام انہوں نے لکشمی دیوی رکھ چھوڑا ہے۔ اس کی وہ پوجا کس لئے کرتے ہیں! اس لئے کہ ان کو دولت ملے۔ درحقیقت وہ اس مورتی کے پردے میں دولت کی پوجا کرتے ہیں۔ ہم نے صرف یہ کیا ہے کہ 'لکشمی دیوی' کی کوئی مورتی ہمارے سامنے نہیں ہے۔ لیکن لکشمی دیوی کی پوجا سے ہندوؤں کا جو مقصود ہے وہی ہمارا بھی ہو جائے گا اگر ہم حرام و حلال اور شریعت کی قیود و شرائط سے بے نیاز ہو کر دولت کے حصول میں لگ جائیں اس طور پر یہ دولت معبود کا درجہ حاصل کر لیتی ہے۔ دولت کے ایسے پجاریوں اور غلاموں کے لئے ہی آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: تعس عبد الدینار وعبد الدرھم۔

اسی طریقے سے دیکھیئے۔ ایک طرف اللہ کا حکم ہوتا ہے اور دوسری طرف نفس کی چاہت بڑی سادہ سی مثال ہے۔ صبح سویرے کا وقت ہے، آنکھ بھی کھل گئی ہے۔ اذان بھی سنی ہے۔ یہ پکار کس کی ہے؟ مؤذن کی زبان سے ضرور نکلی ہے لیکن پکار اس کی نہیں ہے۔ پکار تو اللہ کی ہے کہ ــــ حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح اور الصلوٰۃ خیر من النوم۔

ــــ علامہ اقبال کا بڑا پیارا شعر ہے جو اس بات کی تفہیم میں ممد ہو سکتا ہے۔

نکلی تو لبِ اقبال سے ہے کیا جانیئے کس کی ہے یہ صدا
پیغامِ سکوں پہنچا بھی گئی، دِل محفل کا تڑپا بھی گئی

تو زبان بے شک مؤذن کی ہے۔ لیکن صدا تو اللہ کی ہے۔ ایک طرف اللہ کی پکار ہے۔ دوسری طرف نفس کہتا ہے، "سوؤ ــ ابھی آرام کرو" ــــ یہ ہے وہ کشمکش جس سے ہم میں سے اکثر لوگوں کا سابقہ پیش آتا ہے۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے کہ ہمیں معلوم نہ ہو۔ ہم میں سے اکثر کو اس کا تجربہ ہوا ہے۔ اب اگر مستقل یہ کیفیت ہو کہ اس وقت ہم نے اللہ کی پکار پر تو اپنے کان بند کئے اور نفس کی خواہش اور مرضی پر لبیک کہا تو ہمارا معبود کون ہوا؟ اللہ یا ہمارا نفس! معلوم ہوا کہ دلوں میں صنم خانہ آباد ہے۔ اسی بات سے متنبہ کیا گیا سورۂ فرقان کی آیت ۴۳ میں

میں: اَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ؕ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَیْهِ وَكِیْلًا ۝ "اے نبیؐ آپ نے اس شخص کے حال پر غور کیا جس نے اپنی خواہشِ نفس کو اپنا معبود بنایا ہوا ہے۔ کیا آپ ایسے شخص کی نگرانی کر سکیں گے؟" غور کیجئے! یہاں لفظ اِلٰہ آیا ہے جو ہمارے کلمۂ شہادت کے جزوِ اوّل میں آتا ہے: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ "کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے" پس معلوم ہوا کہ معبود دولت بھی بنتی ہے۔ معبود نفس بھی بنتا ہے۔ دل کے اس صنم خانے کو ختم کرنا آسان کام نہیں ہے۔ پتھر کے تراشیدہ باہر کے بتوں کی نفی اور مذمّت آسان ہے۔ قبر پرستی کی نفی اور مذمّت بھی آسان ہے۔ اور یہ نفی و مذمّت بالکل صحیح ہے۔ یہ ہمارے ایمان کا تقاضا ہے۔ یہ توحید کا لازمہ ہے۔ اس میں غلطی کا رائی برابر بھی کوئی شائبہ نہیں۔ لیکن دل کے اندر جو صنم خانے ہیں۔ حُبِّ مال ہے۔ حُبِّ جاہ ہے۔ حُبِّ اقتدار ہے۔ نفس کی مرضیات و خواہشات اور چاہتوں کی بجاآوری ہے ــــ یہ تمام چیزیں توحید کی ضد ہیں ــ اس مفہوم کی ادائیگی کے لئے بھی علامہ اقبال کا بڑا پیارا شعر ہے کہ ؎

براہیمی نظر پیدا مگر مشکل سے ہوتی ہے!
ہوس چھپ چھپ کے سینوں میں بنا لیتی ہے تصویریں

اندر کے اس صنم خانے کو بھی دیکھنا ہوگا۔ دل کے سنگھاسن پر براجمان ان بتوں کو بھی توڑنا ہوگا جب واقعتاً یہ ہو جائے اور ساتھ ہی باہر کے بُت بھی ختم کر دیئے جائیں تو ایسے شخص کو بجا طور پر سچا موحد کہلائے جانے کا استحقاق ہوگا۔ حقیقی موحد بننے کے لئے لازم ہوگا کہ اللہ کی محبت بھی تمام محبتوں پر غالب آگئی ہو۔ دوسری تمام محبتیں اللہ کی محبت کے تابع ہوگئی ہوں۔ اللہ کی اطاعت تمام اطاعتوں سے درے ہوگئی ہو اور دوسری تمام اطاعتیں اللہ کی اطاعت کے تحت آگئی ہوں۔ اگر اس طور سے کوئی موحد بن گیا ہو تو ہو نہیں سکتا کہ ایسے موحد کے وجود سے توحید دوسروں تک نہ پہنچے۔ یہ توحید لازماً متعدّی ہوگی۔ فرد سے دوسروں تک توحید پہنچنے کا یہ معاملہ ہے دعوت و تبلیغ ــــ لوگوں کو بھی توحید کی طرف بُلانا اور پکارنا ــ لوگوں تک بھی توحید کی دعوت کو پہنچانا ــــ

اجتماعی توحید اس طور پر جب انفرادیت سے اجتماعیت کی طرف قدم بڑھے گا تو اس کا اگلا مرحلہ ہوگا پورے ماحول پر اللہ کی توحید کا سکہ رواں کر دینا ــ پورا

معاشرہ موحد بن جائے۔ پوری قوم موحد بن جائے۔ پورا ملک موحد بن جائے۔ ملک کا نظام موحد بن جائے۔ ملک کا دستور توحید کا مظہر بن جائے ــــ یہ مرحلہ سر کر لیا تو اس کا نام ہے ' اقامتِ دین ــــ

حاصلِ کلام میری اس وقت تک کی گفتگو کا حاصل یہ نکلا کہ خالص انفرادی سطح پر توحید فی العبادت اور توحید فی الدعا ــ پھر اجتماعی سطح پر دعوت و تبلیغ ــــ پھر ان دونوں سے مراحل سے اگلا قدم اقامتِ دین ــــ یہ ہے توحید کامل۔ ان اصطلاحات کو آپ اچھی طرح ذہن نشین کر لیں گے تو اب میری اگلی گفتگو آپ بخوبی سمجھ سکیں گے جس کے تانے بانے اور تمہید کے طور پر میں نے یہ باتیں آپ کے سامنے بیان کی ہیں۔

میں نے آپ کو اکیس سورتیں گنوائی تھیں جن کا مرکزی مضمون و موضوع توحید ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی عرض کیا تھا کہ ان میں چار سورتیں۔ سورۂ زمر، سورۂ مومن، سورۂ حٰمٓ السّجدہ اور سورۂ شوریٰ ہیں، ان میں اس عملی توحید کا تدریجاً بیان ہے جو بطور تانا بانا اور تمہید میں آپ کے سامنے بیان کر چکا ہوں بطور مثال یوں سمجھ لیجئے کہ ان چار سورتوں کی ایک لڑی ہے۔ جس میں توحید عملی کے موتی تدریجاً پرو دئے ہوئے ہیں اور یہ مضمون انفرادی توحید سے عملی توحید کی طرف تدریجاً بڑھتا چلا جاتا ہے ــــ

انفرادی توحید سورۂ زمر میں انفرادی توحید کا بیان ہے اور اس قدر شد و مد کے ساتھ اتنی تاکید کے ساتھ اور اتنے اہتمام کے ساتھ ہے کہ میرے حقیر مطالعہ کے بموجب پورے قرآن مجید میں اس اسلوب کے ساتھ یہ بیان اور کہیں نہیں ملے گا۔ البتہ اس موقع پر اس بات کا اعادہ ضروری ہے کہ توحید کے موضوع پر جامع ترین سورت تو سورۂ اخلاص ہی ہے جو بڑی مختصر سورت ہے۔ اس سورت کا مقام و مرتبہ یہ ہے کہ یہ توحید کا عطر ہے یا یوں کہہ لیجئے کہ کوزے میں دریا بند کر دیا گیا ہے۔ اسی لئے نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس سورۂ مبارکہ کو ثلث قرآن قرار فرمایا ہے یہ اس اعتبار سے کہ بنیادی ایمانیات تین ہیں:۔
(۱) ایمان باللہ یعنی توحید (۲) ایمان بالرّسالت اور (۳) ایمان بالمعاد یا ایمان بالآخرہ۔
اس میں سے توحید کا بیان اس چھوٹی سی سورت میں انتہائی جامعیّت کے ساتھ آ گیا ہے۔ مزید یہ کہ اس سورت کا اسلوب خبریہ و بیانیہ ہے۔ جبکہ انشائیہ انداز اور شد و مد، انتہائی تاکید اور نہایت ہی پُرجلال اسلوب سے توحیدِ عملی کا تدریجاً بیان ان چار سورتوں میں ہوا ہے۔ جن کا میں نے ابھی ذکر کیا ہے۔

اصولی بات میں ابتدا میں عرض کر چکا ہوں کہ توحید کے دو درجے ہیں۔ ایک توحید فی العلم یا توحید فی المعرفت یا توحید فی العقیدہ۔ دوسرا توحید فی العمل یا توحید فی الطلب پھر اس توحید عملی کے بھی تین مرحلے ہیں۔ پہلا توحید فی العبادت اور توحید فی الدعا۔ دوسرا اسی توحید کی بندگانِ خدا کو دعوت، اسی کی تبلیغ اور تیسرا اسی توحید پر مبنی نظامِ حیات کا قیام و قرار یعنی اقامت دین۔

توحید فی العبادہ ان میں سے توحید فی العبادہ کے متعلق جان لیجئے کہ تمام انبیاء و رسل کی دعوت کا یہ نکتۂ آغاز رہا ہے۔ اس بات کے لئے قرآن مجید کی بے شمار اور متعدد آیات پیش کی جا سکتی ہیں لیکن محدود وقت کے پیش نظر صرف چند آیات پیش کرنے پر اکتفا کروں گا ـــــ سورۂ نحل میں فرمایا:

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ج

"ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا اور اس کے ذریعے سے سب کو خبردار کر دیا کہ اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت (غیر اللہ) کی بندگی سے بچو۔"

سورۂ انبیاء میں فرمایا:

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ط

"(اے نبیؐ) ہم نے آپؐ سے پہلے جو رسول بھیجے ان کی طرف یہی وحی بھیجی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ لہٰذا صرف میری ہی بندگی کرو۔"

آخری پارے کی سورۂ بینہ میں واضح کیا گیا:

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ

"اور ان کو حکم نہیں ہوا تھا مگر اس بات کا کہ وہ اللہ کی بندگی کریں اس کے لئے اپنی اطاعت کو خالص کرتے ہوئے یک سو ہو کر۔"

اس آیت میں رسولوں اور ان کی امتوں کے لئے یہ ضابطہ بیان ہوا کہ سب کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ سب کے سب اللہ کی عبادت اسی کے لئے اپنی اطاعت خالص کرتے ہوئے بجا لائیں۔ یہ نہ ہو کہ بظاہر بندگی اللہ کی ہو لیکن اطاعت اللہ کے دشمنوں کی ہو رہی ہو۔ سازباز اللہ کے باغیوں سے ہو رہی ہو۔ ان کے احکام کی تعمیل بھی ہو رہی ہو، ان کے سامنے بھی سر جھکائے جا رہے ہوں اور دعویٰ اللہ کی عبادت کا ہو ـــ

یہ طرزِ عمل ہرگز مطلوب نہیں ہے بلکہ طرزِ عمل درکار ہے مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ والا — پھر آخر میں حُنَفَآءَ کا اضافہ کیا گیا ہے یعنی یک سو ہو کر — پچ رنگی طرزِ عمل مطلوب نہیں ہے۔ اللہ کو تو دو رنگی بھی پسند نہیں ہے۔ پچ رنگی تو بہت دور کی بات ہے۔ یہاں تو ایک رنگ چاہیئے۔ صِبْغَۃَ اللّٰہِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰہِ صِبْغَۃً۔ انسان یک رنگ ہو جائے۔ یک سو ہو جائے وہ اپنے پورے وجودِ ظاہری و باطنی کے ساتھ فی الواقع اللہ کا بندہ بن جائے۔ اللہ ہی کی بندگی میں ہمہ تن رنگ جائے۔

اب میں چاہوں گا کہ سورۂ بیّنہ کی اسی آیت کے مضمون کو سورۂ زمر میں آپ کو دکھاؤں تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ یہ مضمون وہاں کس شدّ و مد اور کس تاکید کے ساتھ مختلف اسالیب سے بیان ہوا ہے۔ اور چونکہ اس میں انفرادی سطح پر توحیدِ عملی کا بیان ہے۔ لہٰذا آپ دیکھیں گے کہ وہاں صیغہ واحد کا آئے گا۔ خطاب نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے ہوگا لیکن اس اسلوب میں تخاطب امّت سے بھی ہے اور ان سے بھی جنہوں نے ابھی دعوت کو قبول نہیں کیا ہے۔ گویا تاقیامِ قیامت پوری نوعِ انسانی اس کی مخاطب ہے۔

توحید فی العبادہ — انفرادی عملی توحید

سورۂ زمر کا آغاز ہوتا ہے:

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ — بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تَنْزِیْلُ الْکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ ۝ "اس کتاب کا نزول ہے اللہ کی طرف سے جو العزیز (نہایت زبردست) ہے۔ جو الحکیم (بے حد و حساب حکمت والا) ہے" — اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ۔ "ہم نے نازل کی ہے (اے نبیؐ) آپؐ کی طرف یہ کتاب یعنی قرآن مجید حق کے ساتھ" یہ فیصلہ کُن کتاب ہے (اِنَّہٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ) اب اسی سے اقوامِ عالم کی قسمتیں تلیں گی جیسا کہ ایک حدیث میں آتا ہے جس کے راوی ہیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ اِنَّ اللّٰہَ یَرْفَعُ بِھٰذَا الْکِتٰبِ اَقْوَامًا وَیَضَعُ بِہٖ اٰخَرِیْنَ (مسلم) "اللہ تعالیٰ اس کتاب کی وجہ سے ان قوموں کو عزّت و سربلندی عطا فرمائے گا جو اس کا اعتصام کریں گی اور دوسروں کو جو اس کو پسِ پشت ڈال دیں گی ذلت و نکبت سے دوچار فرمائے گا" یعنی قوموں کے عروج و زوال کی بنیاد یہ کتاب بنے گی — اب آگے وہ مضمون آرہا ہے جس کے لئے میں نے یہ پوری تمہید باندھی: فَاعْبُدِ اللّٰہَ مُخْلِصًا لَّہُ الدِّیْنَ ۝ اَلَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ ؕ۔ یہ اسلوب اور مضمون آپ کو قرآن مجید میں

کسی اور جگہ نہیں ملے گا۔۔۔ ان آیات کی ترجمانی یوں ہو گی کہ "(اے محمدؐ) پس بندگی کرو اللہ کی۔ پوجو اللہ کو۔ پرستش کرو اللہ کی۔ اس کے لئے اپنی اطاعت کو خالص کرتے ہوئے اور جان لو اللہ کے لئے تو خالص دین (اطاعت) ہے" اللہ کے لئے ملاوٹ والا دین نہیں ہے۔ ملاوٹ والا دین منہ پہ دے مارا جائے گا۔ اللہ کے ہاں مقبول ہو گا دین خالص۔ ان آیات میں دو اہم الفاظ عبادت اور دین آ گئے۔ اب یہاں توقف کر کے پہلے مجھے عبادت کے مفہوم اور معنی کے متعلق کچھ عرض کرنا ہو گا۔۔۔ 'دین' کے لفظ کی تشریح و توضیح آگے بیان ہو گی۔

دینی اصطلاح میں عبادت کا مفہوم

میں کئی مرتبہ عبادت کا مفہوم بیان کر چکا ہوں۔ پچھلی مرتبہ جب یہاں آنا ہوا تھا تو آپ کو یاد ہو گا کہ میں نے فرائضِ دینی کی جو تین سطحیں بیان کی تھیں تو ان میں پہلی سطح چار اصطلاحات کے حوالے سے بیان کی تھیں: اسلام۔ اطاعت۔ تقویٰ اور عبادت۔۔۔ میں نے عرض کیا تھا کہ لفظ عبادت کے صحیح مفہوم کو مکمل کرنے کے لئے فارسی کے دو الفاظ جمع کر لیجئے تو بات پوری طرح سمجھ میں آ جائے گی۔ وہ دو الفاظ ہیں بندگی اور پرستش۔ محض لفظ بندگی سے قرآن مجید کی اصطلاح عبادت کا مفہوم مکمل نہیں ہو گا اور محض پرستش سے بھی نہیں ہو گا۔ دونوں کو جمع کریں گے تو عبادت کا مفہوم ادا ہو جائے گا۔ بندگی میں اصل زور ہے اطاعت کی طرف۔ غلامی اور محکومی بندگی کہلائے گی۔ غلام اور محکوم تو اپنے آقا اور حاکم کا مطیع اور فرمانبردار ہوتا ہے۔ اس کے دل کی کیفیت کچھ بھی ہو۔ دل میں وہ چاہے اپنے آقا اور حاکم کو گالیاں دے رہا ہو۔ چاہے وہ دل میں شدید باغیانہ جذبات رکھتا ہو۔ لہٰذا بندگی میں دل کی کیفیت سے بحث نہیں ہوتی۔ غلام اور محکوم کا کام ہے اپنے آقا اور حاکم کی اطاعت۔ تو بندگی یا اطاعت عبادت کا جزوِ اعظم ضرور ہے لیکن عبادت کی روح پرستش ہے۔ لفظ پرستش میں اصل زور محبت پر ہے۔ پرستار کس کو کہتے ہیں۔! وطن پرست کون ہے۔! جس کے دل میں ہر چیز کی محبت سے بالاتر محبت وطن کی ہو گی وہ وطن پرست کہلائے گا۔ زر پرست کون ہے۔؟ جس کے دل میں دولت کی محبت دوسری محبتوں پر غالب ہو جائے وہ ہے زر پرست۔ اسی طرح آپ کہتے ہیں شہوت پرست، شہرت پرست۔ ایسے لوگوں کو اپنی اس پرستش یعنی محبت کی تسکین چاہئے چاہے وہ صحیح طریق سے ہو چاہے غلط طور پر ہو۔ نفس پرست اسے کہا جاتا ہے جو اس کا غلام بن جائے اور اس کی خواہش اور تقاضے کو جائز و ناجائز کی تمیز کے بغیر پورا کرنے کے لئے تگ و دو کر رہا ہو۔ پس جو چیز بھی انسان کو انتہائی عزیز ہو گی اس کا وہ پرستار ہے۔۔۔ لہٰذا جب بندگی اور پرستش اللہ

ہی کے لئے جمع ہو جائیں یعنی ہمہ تن، ہمہ وقت، ہمہ جہت اللہ ہی کی اطاعت اور اللہ ہی کی محبت سے انسان سرشار ہو جائے تو عبادتِ رب کا حق ادا ہوگا۔ بندگی کے متعلق میں نے آپ کو پچھلی مرتبہ شیخ سعدیؒ کا شعر سنایا تھا ؎

زندگی آمد برائے بندگی　　　زندگی بے بندگی شرمندگی

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ط اس آیت کی بڑی حد تک اس شعر میں ترجمانی کی گئی ہے۔ اسی طریقہ سے قرآن مجید میں سورۂ بقرہ کے بیسویں رکوع میں اللہ کی محبت والا مضمون آتا ہے۔ بہت پیارا مضمون ہے۔ اسے لوحِ دل پہ کندہ کر لیجئے فرمایا: اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ط "جو لوگ (حقیقی) اصحابِ ایمان ہیں، ان کی سب سے زیادہ محبت اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذاتِ اقدس سے ہوتی ہے"۔ اگر یہ نہیں ہے تو حقیقی ایمان سے محرومی ہے۔ پھر تو محض ایک عقیدہ ہے۔ ایک موروثی Dogma ہے ایک National Creed ہے۔ حالانکہ مطلوب یہ ہے کہ محبت اس درجہ کو پہنچ جائے وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ۔ حقیقی اہلِ ایمان کے لئے محبوب ترین اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات ہوتی ہے۔

تو جب یہ حُبّ اور وہ اطاعت اللہ کے لئے مل جائیں تو یہ ہوگی اللہ کی کامل بندگی ـــــ اور یہی درحقیقت عبادت کی وہ تعریف ہے جو امام ابنِ تیمیہؒ اور حافظ ابنِ قیمؒ نے کی ہے۔ بلکہ حافظ ابنِ قیمؒ کے الفاظ اپنے استاذ سے بھی زیادہ پیارے ہیں۔ ان کا قول ہے کہ: اَلْعِبَادَةُ تَجْمَعُ اَصْلَيْنِ غَايَةَ الْحُبِّ مَعَ غَايَةِ الذُّلِّ وَالْخُضُوْعِ۔ "عبادت دو بنیادوں کے جمع ہونے سے بنتی ہے۔ پہلی یہ کہ اللہ کے ساتھ انتہائی درجہ کی محبت ہو۔ دوسری یہ کہ انسان انتہائی درجہ میں اس کے سامنے اپنے آپ کو پست کر دے اور بچھا دے" ان دونوں کے اجتماع کا نام ہے عبادت [1]

---

[1] حال ہی میں العلامہ الشیخ عبدالرحمٰن بن حسن آل شیخؒ کی ایک تصنیف راقم کی نظر سے گزری۔ الشیخ مرحوم نے عبادت کی تعریف و توضیح ان الفاظ میں کی ہے: والعبادة اسم يجمع كمال الحبّ لله ونهايته فالحب الخلي عن ذل والذّل الخلي عن حبّ لا يكون عبادة وانما العبادة ما يجمع كمال الامرين: عبادت ایسا اسم ہے جس میں کمالِ محبت اور اس کی انتہا اور اللہ کے سامنے کمال ذلت اور اس کی انتہا پنہاں ہے۔ پس وہ محبت جس میں ذلت نہ ہو اور وہ ذلت جس میں محبت نہ ہو عبادت کہلانے کی مستحق نہیں بلکہ (باقی اگلے صفحہ پر)

خالص اطاعت مطلوب ہے

فرمایا: فَاعْبُدِ اللّٰهَ۔ اب دیکھئے کہ یہ بات اپنی جگہ پر مکمل ہے۔ لیکن انسان کا معاملہ یہ ہے کہ وہ بڑا جھگڑالو ہے۔ کچھ نہ کچھ منطق فطری طور پر ہر انسان کو ملی ہے۔ اسی کی طرف اشارہ ہے۔ سورہ کہف کی آیت نمبر ۵۴ کے آخری حصہ میں ہے کہ: وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ۝ "اور انسان بڑا جھگڑالو ہے"۔ پس وہ طرح طرح سے اپنے لئے بہانے بناتا اور حیلے تراشتا ہے تو قرآن حکیم یہاں ہر نوع کے بہانے اور حیلے کا سدباب فرماتا ہے۔ حضورؐ کو مخاطب کر کے اصل دعوت تو حضورؐ کی امت احابت و دعوت کو دینی ہے۔ فَاعْبُدِ اللّٰهَ میں بات پوری آگئی تھی لیکن فرمایا: فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۝ "پس (اے نبی) عبادت کیجئے اللہ کی اس کے لئے اپنی اطاعت کو خالص کرتے ہوئے"۔ میں نے یہاں 'دین' کا ترجمہ اطاعت کیا ہے۔ لفظ دین کی جب شرح بیان کروں گا۔ تو آپ کے سامنے یہ بات آجائے گی کہ اس لفظ میں اطاعت کا مفہوم بھی شامل ہے۔ یہاں یہ جان لیجئے کہ تقریباً تمام ہی متقدمین و متاخرین قرآن مجید کے مفسرین نے یہاں دین کا مفہوم اطاعت ہی بیان کیا ہے ــــ یہاں اس بات پر زور دینا مقصود ہے کہ اللہ کے لئے اطاعت خالص ہو۔ یہ نہ ہو کہ کچھ اطاعت کسی کی اور کچھ اطاعت کسی کی۔ کچھ اللہ کی اور کچھ نفس کی۔ کچھ اللہ کی اور کچھ ایسے حاکموں کی جو اللہ کے احکام سے آزاد ہو کر کوئی حکم دے رہے ہوں۔ تو ایسی اطاعت خلوص و اخلاص کے ساتھ نہیں ہے۔ یہ ملاوٹ والی اطاعت ہے۔ ملاوٹ والی کوئی شے ہمارے لئے قابلِ قبول نہیں ہوتی تو غور کا مقام ہے کہ ملاوٹ والی اطاعت اللہ عزوجل کے لئے کیسے قابلِ قبول ہو گی۔ جو خالق و مالک ارض و سماوات ہے۔ جو الغنی ہے، جو الحمید ہے جو الغفور ہے۔ ! اسی تاکید کے لئے فَاعْبُدِ اللّٰهَ کے فوراً بعد فرمایا: مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ "پس اللہ کے لئے اپنی اطاعت کو خالص کرتے ہوئے اس کی عبادت کرو"ــــ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ضمن میں نہایت جامع اور مختصر الفاظ میں ہمیں ایک فارمولا عطا فرمادیا ہے کہ ہم اس کو معاملات پر منطبق (Apply) کر سکتے ہیں ــــ آں حضورؐ نے ارشاد فرمایا ہے: لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق۔ "مخلوق میں سے کسی کی (ایسے معاملہ میں) اطاعت نہیں ہے جس سے خالق کی نافرمانی ہوتی ہو"

(تسلسل) عبادت وہ ہے جس میں یہ دونوں چیزیں جمع ہوں"ــــ یہ بات پیش نظر رہے کہ عربی میں ذلت کے معنی پست ہو جانے اور بچھ جانے کے ہیں۔ (مرتب)

اللہ کا ایک حکم ہے۔ والدین اس کے خلاف کوئی حکم دیں تو اطاعت نہیں ہوگی۔ اللہ کے حکم کے خلاف کوئی حکم اساتذہ دیں، اطاعت نہیں ہوگی۔ اللہ کے حکم کے خلاف اقتدارِ وقت حکم دے اطاعت نہیں ہوگی ___ اس لئے کہ فرمانِ نبوی علیٰ صاحب الصلوٰۃ والسلام ہے کہ لاطاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق ___ ہاں اللہ کے احکام کے دائرے کے اندر اندر والدین کی بھی اطاعت ہوگی اساتذہ کی بھی اور اقتدارِ وقت کی بھی۔ تمدنی زندگی میں اطاعت کا وسیع دائرہ ہے۔ جس میں اولی الامر بھی شامل ہیں، والدین بھی، اساتذہ بھی، مرشدین بھی، بیوی کے لئے اس کا شوہر بھی۔ ان کے علاوہ بہت سے اور بھی ___ ان سب کی مباحات میں اطاعت ہوگی ___ اللہ کے حکم سے آزاد ہو کر اطاعت کی نہیں اور شرک لازم آیا نہیں ___ یہ ہے ان آیاتِ کریمہ وعظیمہ کا اصل درس، حقیقی سبق، اصل دعوت اور واقعی انتباہ۔ فَاعْبُدِ اللّٰہَ مُخْلِصًا لَّہُ الدِّیْنَ ۝ اَلَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ ط " سنتے ہو! اچھی طرح سن لو آگاہ ہو جاؤ" ___ قرآن مجید میں جہاں بھی "اَلَا" آیا ہے۔ شاہ عبدالقادر دہلویؒ نے اس کا بڑا پیارا ترجمہ کیا ہے۔ یہ آج سے تقریباً دو سو سال پہلے کا انداز ہے۔ وہ ترجمہ کرتے ہیں "سنتا ہے!" مجھے تو یہ انداز بہت اچھا لگتا ہے ___ اَلَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ ط " سن رکھو، آگاہ ہو جاؤ۔ اللہ ہی کیلئے ہے خالص دین یعنی مخلصانہ اطاعت" اگر کسی اور کی اطاعت اللہ کی اطاعت سے آزاد ہو کر کی گئی اسی طرح اگر اللہ کی محبت سے آزاد ہو کر کسی اور کی محبت کی آلائش شامل ہو گئی تو معاملہ تلپٹ ہو گیا دگرگوں ہو گیا۔ اس میں ملاوٹ آگئی۔ ہاں اللہ کی محبت کے تابع اولاد سے محبت کرو کوئی ہرج نہیں، وطن سے محبت کرو، کوئی ہرج نہیں۔ اپنے گھر سے محبت کرو، کوئی ہرج نہیں لیکن یہ کہ اللہ کی محبت کے برابر اپنے دل کے سنگھاسن پر کسی کی محبت کو بٹھا لیا تو یہ شرک ہے ___ اور اگر کسی کی محبت اللہ کی محبت سے بڑھ گئی تو شرک سے بھی اوپر کا کوئی لفظ ایجاد کرنا پڑے گا۔ چونکہ ایسا لفظ ہماری لغت میں ہے نہیں ___ برابر کا معاملہ ہو گیا تو یہ شرک ہو جائے گا ___ اَلَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ "آگاہ ہو جاؤ اللہ کے لئے تو دین خالص ہے"۔ بے میل اطاعت۔ ملاوٹ سے پاک اطاعت ___ یہاں ایک بات اور جان لیجئے کہ اطاعت کے ساتھ میں نے محبت کا ذکر کس بنیاد پر کیا ہے ___! اس کی پہلی بنیاد تو لفظ عبادت ہے جس کی میں تشریح کر چکا کہ اس میں تذلل کے ساتھ غایت درجہ کی دلی محبت کا مفہوم بھی شامل ہے۔ دوسری بنیاد لفظ اطاعت ہے جو طوع سے بنتا ہے۔ ہم اردو میں بھی طوعاً و کرہاً بولتے ہیں۔ طوع کے معنی دل کی آمادگی کے ہیں اور ظاہر بات ہے کہ دل کی آمادگی مستلزم ہے محبت کو ___

توحید فی العبادہ کی اہمیت

میں نے عرض کیا تھا کہ سورۂ زمر میں انفرادی توحید کا مضمون بڑی شد و مد اور بڑی شان سے آیا ہے۔ ابتدائی تین آیات کا میں قدرے شرح و بسط کے ساتھ بیان کر چکا۔ اب چند آیات مزید پیش کرتا ہوں۔ ان کی مختصر تشریح پر اکتفا کروں گا۔ اب میں سورہ زمر کی آیات نمبر گیارہ، بارہ، تیرہ اور چودہ آپ کو سناتا ہوں۔ اپنی توجہات کو پوری طرح میری گفتگو کی طرف مرتکز کیجئے!

فرمایا: قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَ ۝ دیکھئے کسی اہم بات کو Emphasise کرنے کے لئے، اس پر زور دینے کے لئے، اس کو خوب اچھی طرح ذہنوں میں اتارنے کے لئے مختلف اسالیب سے اس کی تکرار اور اس کا اعادہ بھی ایک مؤثر ذریعہ بنتا ہے۔ وہی بات جو سورہ کے آغاز میں آئی تھی، اب دوہرا کر آرہی ہے۔ وہاں اللہ تبارک و تعالیٰ نے حکم دیا تھا اور وہاں انشائیہ انداز تھا کہ: فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَ ۝ یہاں نبی اکرم سے فرمایا جا رہا ہے کہ قُلْ اے نبیؐ کہہ دیجئے: اِنِّیْٓ اُمِرْتُ "مجھے حکم ہوا ہے" اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَ ۝ کہ میں اللہ کی بندگی اور پرستش کروں اطاعت کو اس کے لئے خالص کرتے ہوئے۔ وہی بات یہاں آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے کہلوائی جا رہی ہے کہ مجھے حکم ہے کہ میں اسی کی عبادت کروں۔ اپنی اطاعت کو اسی کے لئے خالص کرتے ہوئے۔ یہاں کس حکم کا ذکر ہے۔ اسی کا جو فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَ کی صورت میں ابتدائے سورت میں آگیا تھا۔

اگلی آیت نمبر ۱۲ میں اسی مضمون کے مفہوم و مقصود کو مزید واضح فرمایا دیا: وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝ "اور مجھے تو حکم ہوا ہے کہ سب سے پہلے فرماں بردار میں خود بنوں۔ اللہ کے احکام پر سب سے پہلے عمل پیرا میں خود ہوں۔ اللہ کی نواہی سے رک جانے میں سب سے پہلے میں خود بنوں۔ اللہ کے اوامر کو دل و جان سے بجا لانے والا سب سے پہلے میں خود بنوں۔"

آگے چلئے اور دیکھئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے جو معصوم ہیں کس طرح خشیتِ الٰہی اور اللہ کی نافرمانی پر خوفِ آخرت کا اظہار کرایا جا رہا ہے! فرمایا: قُلْ اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ۝ "(اے نبیؐ) یہ بھی کہہ دیجئے کہ اگر میں اللہ کے حکم کی نافرمانی کروں تو مجھے یوم عظیم (آخرت) کے عذاب کا خوف اور اندیشہ ہے۔ غور کیجئے

کہ کون سے احکام کی نافرمانی سے خوف کا یہاں اظہار ہو رہا ہے ــــ! یہاں دو ہی تو حکم آئے ہیں پہلا یہ کہ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۔ دوسرا یہ کہ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ ۔ لیکن ان دونوں احکام نے پوری زندگی کے فکر و نظر اور رویہ و عمل کا احاطہ کر لیا ہے۔ اب اگر عملی زندگی میں اس توحیدِ عملی کی ذرا سی بھی خلاف ورزی ہو جائے تو اس پر محبوبِ ربّ العٰلمین صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلوایا جا رہا ہے: اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ اس میں دراصل اہل ایمان کے لئے انتہائی مؤثر انتباہ ہے۔

آگے پھر سُنیے۔ فرمایا قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهُ دِيْنِيْ ۝ "اے نبی! (پھر) کہہ دیجئے کہ میں تو اللہ ہی کی بندگی اور پرستش کرتا ہوں اس کے لئے اپنے دین اور اپنی اطاعت کو خالص کرتے ہوئے"

اس آیت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپؐ کے اس عزمِ مصمم اور ثبات و استقلال کا اعلان کرا دیا گیا کہ میری لائی ہوئی دعوتِ توحید کو کوئی قبول کرے یا نہ کرے۔ میں تو ہر حال میں اللہ ہی کی مخلصانہ بندگی اور پرستش کرتا ہوں اور کروں گا اور میری اطاعت اسی کے لئے مخصوص ہے اور رہے گی۔

تاکید مزید آگے چلئے۔ اسی سورۂ مبارکہ کے ساتویں رکوع کی تین آیات نمبر ۶۴، ۶۵ اور ۶۶ سنئے۔ یہاں یہ مضمون پورے نقطۂ عروج (Climax) کو پہنچ گیا ہے۔ اس سے زیادہ تاکیدی اسلوب آپ کو کہیں نہیں ملے گا ــــ فرمایا: قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ۝ "اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیجئے کہ اے جاہلو! اے نادانو! اے حرص و ہوا کے بندو! کیا تم مجھے یہ حکم اور مشورہ دے رہے ہو کہ میں اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کروں؟" دیکھئے وہاں جو کشمکش چل رہی تھی اور وہ کشمکش توحید اور شرک کے مابین ہی تھی۔ اس کشمکش میں نبی اکرمؐ پر دباؤ پڑ رہا ہے۔ سارے وفود جناب ابوطالب کے پاس کس لئے آتے تھے! ان کا ایک ہی مطالبہ تھا کہ محمد سے کہہ دو (صلی اللہ علیہ وسلم) کہ ہم انہیں اپنا بادشاہ بنانے کیلئے بھی تیار ہیں۔ اگر انہیں دولت درکار ہے تو اس کے انبار بھی ان کے قدموں میں ڈال دیتے ہیں۔ جہاں چاہیں، جس خاندان میں چاہیں بس اشارہ کر دیں ہم آپؐ کا وہاں نکاح کرانے کے لئے بھی آمادہ ہیں۔ لیکن آپؐ اپنی اس دعوت سے باز آجائیں ــــ یہاں قریش کے ان بڑے بڑے سرداروں سے خطاب کیا جا رہا ہے اور خطاب بھی نہایت تیکھا اور تند

وتلخ انداز میں ـــــ اَیُّھَا الْجٰھِلُوْنَ سے۔ یہ بڑا ثقیل انداز ہے جو قرآن نے براہِ راست خطاب میں اختیار کیا ہے۔ عام طور پر خطاب کا یہ انداز نہیں ہے۔ لیکن یہ موقع ہی ایسا ہے کہ انداز تخاطب دوٹوک ہو اور اس میں سختی ہو ـــــ ویسے لفظ جاہل کے عربی میں وہ معنی نہیں ہیں جو اردو میں ہیں۔ اردو میں جاہل اَن پڑھ کو کہتے ہیں۔ عربی میں جذباتی اور خواہشات سے مغلوب کو جاہل کہتے ہیں۔ اس کے مقابلہ کا لفظ ہے حلیم۔ حلیم اس شخص کو کہا جاتا ہے جو ٹھنڈے دل و دماغ سے کام لیتا ہے، غور و فکر کرتا ہے، تحمل کرتا ہے، بردباری اختیار کرتا ہے اور عقل کی رہنمائی میں کوئی فیصلہ کرتا ہے ـــــ اور جاہل وہ ہے جو اپنے جذبات اور خواہشات کے تابع ہو کر اقدام کرتا ہے ـــــ اسی لئے میں نے ترجمہ کیا ہے 'اے حرص و ہوا کے بندو! یعنی اے خواہشات کے غلامو! ـــــ کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ توقع رکھتے ہو اور ان کو یہ حکم اور مشورہ دینے کی جسارت کرتے ہو کہ آپؐ اللہ کے سوا کسی اور کو پوجیں یا اللہ کے سوا کسی اور کی بندگی اور پرستش کریں ـــــ معاذ اللہ

توحید فی العبادہ کی تاکید کی انتہا

آگے چلئے۔ فرمایا: وَلَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْكَ وَ اِلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَىِٕنْ اَشْرَكْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ۝ "اور اے نبیؐ! یقیناً آپؐ کی طرف بھی وحی کی جا چکی ہے اور ان کی طرف بھی جو آپؐ سے پہلے گزر چکے ہیں اگر بالفرض آپؐ نے بھی شرک کیا تو جان لیجئے کہ لازماً آپؐ کے سارے اعمال حبط اور اکارت ہو جائیں گے اور آپؐ بھی لازماً خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے"۔ یہ بڑا چونکا دینے والا انداز ہے۔ اس کا ترجمہ کرتے ہوئے زبان لڑکھڑاتی ہے۔ اس میں شرک پر جس غیظ و غضب کا اظہار ہے۔ وہ اس بات سے ظاہر ہے کہ انتہائی تاکید کے دو اسلوب یہاں موجود ہیں یَحْبَطُ اور تَكُوْنَ سے پہلے لام تاکید اور پھر مزید تاکید کے لئے آخر میں نونِ مشدد لایا گیا ہے ـــــ میں نے ترجمہ میں یہ احتیاط کی ہے کہ لفظ 'بالفرض' کا اضافہ کر دیا چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شرک کے ظہور کا کسی نوع کا کوئی امکان سرے سے نہیں ہے معاذ اللہ ثم معاذ اللہ لیکن بات میں زور پیدا کرنے اور قرآن مجید کی دعوتِ توحید کے مخاطبین اوّل اور تاقیام قیامت آنے والی نوعِ انسانی کو شرک کی شناعت سے متنبہ کرنے کے لئے یہ اسلوب اختیار کیا گیا کہ " اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر آپؐ بھی شرک کریں، تو آپؐ کا مقام اور آپؐ کا مرتبہ، آپؐ کے محبوب ربّ العٰلمین ہونے کی حیثیت بھی آپؐ کو اللہ کی پکڑ سے

نہیں بچاسکے گی اور آپؐ کے تمام اعمال لازماً حبط اور آپؐ بھی لازماً زمرۂ خاسرین میں سے ہوجائیں گے ـــــ یہ ہے توحید فی العمل کا تقاضا اور اس کی اہمیت ـــــ قرآن مجید کے ایسے مقامات کے مطالعہ ہی سے شاید علامہ اقبال پر یہ شعر الہام ہوا تھا کہ ؎

چوں می گویم مسلمانم بلرزم ـــــ کہ دانم مشکلاتِ لاالٰہ را !

آگے چلئے۔ فرمایا: بَلِ اللّٰهَ فَاعۡبُدۡ وَكُنۡ مِّنَ الشّٰكِرِيۡنَ ○ "لہٰذا اے نبیؐ آپؐ بس اللہ ہی کی بندگی کیجئے اور اللہ کے شکرگذار بندوں میں سے بن جائیے" ـــــ پھر عبادت کی تاکید، اللہ کی بندگی اور پرستش کا موکد حکم بَلِ اللّٰهَ فَاعۡبُدۡ ـــــ یہ بات اچھی طرح جان لیجئے کہ یہاں عبادت سے مراد محض ارکانِ اسلام یعنی شہادتین، صلوٰۃ، زکوٰۃ، صوم اور حج نہیں ہیں بلکہ پوری زندگی اللہ کی بندگی میں بسر کرنا مراد ہے۔ اسی رویہ کی ایک تعبیر شکر ہے۔

خلاصۂ کلام میں نے سورۂ زمر کے تین مقامات سے تین، پھر چار اور پھر تین آیات یعنی کُل دس آیات کی قدرے تفصیل آپ کے سامنے بیان کی ہے۔ اس سے آپ کو اندازہ ہوگیا ہوگا کہ انفرادی سطح پر عملی توحید کیا ہے! وہ ہے اللہ کا بندہ بن جانا ہمہ تن، ہمہ وقت، ہمہ جہت ـــــ اطاعت اسی کے لئے خالص ہو۔ دوسروں کی اطاعت کی جائے تو اس کی اطاعت کے تابع ہو کر کی جائے اس سے آزاد ہو کر نہ کی جائے۔ بنیادی اور حقیقی شدید ترین محبت اللہ تبارک و تعالیٰ سے ہو ـــــ دوسروں سے محبت اس سے نیچی نیچی اور ورے ورے اور اس کی محبت کے تابع ہو۔ سب سے اونچی محبت اللہ ہی کی ہو ـــــ انفرادی توحید کی یہ شرط لازم ہے کہ عبادت، اطاعت اور محبت اسی کے لئے خالص کر لی جائے ـــــ اگر اس میں کہیں ملاوٹ آگئی تو وہ توحید نہیں ہے۔ یہ ملاوٹ اور یہ کھوٹ شرک کے درجے میں آئے گی۔ اور ہمارے اگلے پچھلے تمام اعمال کے حبط اور اکارت بننے کا ذریعہ بن جائے گی۔

(جاری ہے)

...ی الحارثِ الاشعریؓ، قال، قال رسولُ اللهِ صلّی اللهُ علیهِ وسلّم،

"اٰمُرُکُمۡ بِخَمۡسٍ

...جماعةِ والسّمع والطّاعةِ والهجرةِ والجهادِ فی سبیلِ الله"

(مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ مسند احمد و جامع ترمذی)

آپ کو پریسٹرلیسڈ کنکریٹ کے معیاری

گارڈر، بلے اور سلیب وغیرہ

درکار ہوں تو وہاں تشریف لے جائیے جہاں

اظہار لمیٹڈ کی تیار چھتیں

کا بورڈ نظر آئے

- صدر دفتر : ۶ - کوثر روڈ - اسلام پورہ (کرشن نگر) لاہور
  فون:- ۶۹۵۲۲ ۶۱۵۱۴
- پچیسواں کیلومیٹر - لاہور شیخوپورہ روڈ
- جی-ٹی روڈ کٹھالہ (نزد ریلوے پھاٹک) گجرات
- پچیسواں کلومیٹر شیخوپورہ روڈ - فیصل آباد -
- فیروز پور روڈ - نزد جامعہ اشرفیہ - لاہور - فون:- ۴۱۳۵۶۹
- شیخوپورہ روڈ - نزد نیشنل ہوزری فیصل آباد - فون:- ۵۰۶۲۶
- جی-ٹی روڈ - مریدکے - فون : ۷۰۰۳۸۹
- جی-ٹی روڈ - سرائے عالمگیر
- جی-ٹی رود - سواں کیمپ - راولپنڈی = فون:- ۶۸۱۲۷
- D-۸۷۶ فرید ٹاؤن ساہیوال = فون :- ۳۳۸۲

جاری کردہ: مختار سنز گروپ آف کمپنیز

(۴)

شرک اور اقسامِ شرک

شرک فی الصفات (۲)

از: ڈاکٹر اسرار احمد

سلسلے کے لئے "میثاق" نومبر، دسمبر ۸۳ء
اور جنوری ۸۴ء ملاحظہ فرمائیے (جمیل الرحمٰن مرتب)

اب شرک فی الصفات کے ذیل میں ایک اہم بحث آ رہی ہے۔ اس زیرِ گفتگو شرک کے دو پہلو (SHADES) ہیں۔ پہلا انتہائی قدیم اور عالم گیر نوعیت کا حامل ہے دوسرا بھی اگرچہ قدیم ہے لیکن دورِ جدید میں وہ بہت نمایاں ہے۔ البتہ اُس کا حقیقی ادراک و شعور کافی مشکل ہے لیکن اس کی ہمہ گیری کا بھی یہ عالم ہے کہ خود مسلمانوں کی عظیم اکثریت بھی جو زبانی اور اعتقادی طور پر توحید کی قائل و مُقر ہے، غیر شعوری طور پر اس شرک میں مبتلا نظر آتی ہے آگے جا کر میں جب اس اجمال کو واضح کروں گا تو مجھے یقین ہے کہ آپ بھی خود کو میری اس رائے کی تائید پر مجبور پائیں گے۔

قدیم شرک اس شرک کی جس کو میں نے انتہائی قدیم کے لفظ سے تعبیر کیا بہت انواع ہیں۔ ان سب کا ذکر میرے لئے ممکن نہیں، میں اس وقت اس شرک کی چند اقسام کا اختصار کے ساتھ ذکر کروں گا۔ بقیہ انواع کے شرک دراصل ان ہی اقسام کی فروعات ہیں۔ یہ اقسام ہیں۔ مظاہر پرستی اور اصنام پرستی

مظاہر پرستی یہ دراصل شرک فی الصفات ہی ہے جس نے دُنیا میں مظاہر پرستی کی شکل اختیار کی۔ مظاہر پرستی یہ ہے کہ اس کائنات

ہیں نفع و ضرر پہنچانے والی جو چیزیں بالفعل موجود ہیں، انسان نے ان کو پوجنا شروع کر دیا۔ انسان کو جو اشرف المخلوقات ہے، شیطان نے جس فریب کے ساتھ اس ضلالت اور گمراہی میں مبتلا کر رکھا ہے، اس کو اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے۔ انسان نے سورج کو کیوں پوجا! اس لئے کہ اس کے مشاہدے اور تجربے میں یہ بات ہے کہ سورج میں حرارت ہے، تمازت ہے روشنی ہے۔ اس کی حرارت و تمازت سے فصلیں پکتی ہیں۔ اسی سے پانی بھاپ بن کر اٹھتا ہے جس سے بادل وجود میں آتے ہیں جو بارش کا سبب بنتے ہیں۔ اسی کی روشنی سے دن روشن ہوتا ہے جو انسان کی معاش اور کاروبارِ دُنیا چلانے کے لئے انتہائی اہمیت کا حامل ہے پس شیطان نے انسان کو یہ بھلاوا دیا کہ اگر سورج دیوتا ناراض ہو جائے اور اپنی حرارت و تمازت اور روشنی کی لپیٹ کر چلتا بنے تو یہ سارا نظام مختل و معطل ہو کر رہ جائے لہٰذا سورج دیوتا کو راضی رکھنا ضروری ہے۔ چنانچہ اس کی پوجا پاٹ کرنے اور اس کے آگے ڈنڈوٹ کرنے کے لئے اس کے بڑے بڑے مندر اور ہیکل تعمیر ہوئے اور اس کی پرستش شروع کر دی گئی۔ چالاک و ہوشیار لوگوں نے سورج دیوتا کے نام پر مندر و دنیا کی صورت میں دولت سمیٹنے اور انتہائی عیش و آرام سے چین کی بنسری بجانے کے لئے اس باطل عقیدے کی تائید میں خوب فلسفیانہ موشگافیاں کیں۔ چنانچہ خالص مشرکانہ سوسائٹی میں سورج کی پرستش کو بڑی اہمیت حاصل رہی ہے۔ بطور مثال مصر اور ہندوستان کو سامنے رکھیئے۔ اسلام سے قبل مصر میں سب سے بڑا دیوتا "رع" مانا جاتا تھا، جس کے معنی قدیم مصری زبان میں سورج کے ہیں اور مصر کے حکمران کو اسی مناسبت سے "فرعون" کہا جاتا تھا یعنی اس کو "رع" کا دنیوی اوتار تسلیم کیا جاتا تھا۔ ہندوستان میں اس جدید عہد میں بھی سورج کی پوجا جاری ہے اور زمانہ قدیم میں سورج بنسی خاندان اسی سورج دیوتا سے اپنا رشتہ قائم کر کے خدائی حقوق (DEVINE RIGHTS) کا مدعی ہوتا تھا۔

یہ تو میں نے ایک مثال دی ہے ورنہ مظاہر پرستی کی اتنی انواع و اقسام ہیں کہ ان کا شمار ممکن نہیں۔ جب کوئی قوم توحید کی صراط مستقیم سے ہٹتی ہے تو نہ معلوم کتنی پگڈنڈیوں پر سرگرداں ہوتی ہے۔ کواکب پرستی، چاند پرستی، آگ پرستی، بارش ا

جل پرستی آج بھی ہو رہی ہے جب کہ انسان سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی کے نئے افق چھو رہا ہے انسانوں کی بہت بڑی تعداد اس گمراہی میں آج بھی مبتلا ہے۔

اصنام پرستی جیسا کہ میں ابھی عرض کر چکا کہ جب انسان توحید کی سیدھی راہ سے ہٹتا ہے تو دربدر کی ٹھوکریں کھاتا ہے چنانچہ مظاہر پرستی پر ہی اکتفا نہیں رہا بلکہ دنیا کی ہر نفع و ضرر پہنچانے والی چیز لائق پرستش قرار پائی۔ اس مشرکانہ نظام میں، انسان پرستی، گوسالہ پرستی، شجر و حجر پرستی، بحر و بر پرستی، زر پرستی، علم پرستی، چرند و پرند پرستی اور نہ جانے کتنی پرستیاں اور پرستشیں شامل ہیں۔ پستی کی حد یہ ہے کہ انسان کے اعضائے تناسل کی بھی پوجا کی گئی جو آج تک جاری ہے۔ اس مشرکانہ نظام میں نہ دیوتاؤں کا شمار ہے نہ دیویوں کا۔ پھر ان کے لئے پیکرِ محسوس کے طور پر اور علامت کے لئے بُت تراشے گئے، مندر اور ہیکل بنائے گئے اور پوجا پاٹ کا سمجھ میں نہ آنے والا ایک طلسم تیار کر لیا گیا — انسان کو اس قسم کی انتہائی گھٹیا ضلالت میں مبتلا رکھنے میں دو قسم کے شاطر گروہوں نے ہمیشہ بھرپور حصہ لیا ہے۔ ایک طبقہ میں پنڈت، پروہت، پادری، پوپ اور پریسٹ شامل ہیں اور دوسرے میں راجہ مہاراجہ اور بادشاہ۔ ان دونوں طبقوں کے گٹھ جوڑ پر اگر موقع ہوا تو ان شاء اللہ شرک فی الحقوق کی بحث میں قدرے تفصیل سے گفتگو ہوگی۔ یہاں اتنا سمجھ لیجئے کہ اس مشرکانہ مذہبی تصور میں مختلف عناصر کو جوڑ کر دیوتاؤں اور دیویوں کی ایک کونسل یا کابینہ متصور کی جاتی ہے جس میں خدا کی حیثیت مہادیو کی قرار پاتی ہے اور جس طرح ایک پارلیمانی یا صدارتی یا بادشاہی نظام میں سلطنت کے مختلف شعبے بالفعل اس شعبے کے وزیر یا مشیر کے سپرد ہوتے ہیں اور صدر یا بادشاہ محض ایک آئینی حیثیت رکھتا ہے اسی طرح اس مشرکانہ نظریہ کے مطابق گویا خدائے عرش نشین یا مہادیو نے بھی زمین کا انتظام و انصرام بالکلیہ مختلف دیویوں اور دیوتاؤں کے سپرد کر رکھا ہے اور اس نے اپنا تعلق صرف آسمان کے معاملات سے رکھا ہے۔ جیسا کہ عام طور پر دنیوی بادشاہوں اور صدور کا تعلق اپنے اپنے محل سراؤں اور ایوانوں سے ہوتا ہے۔

اس موقع پر انتہائی دکھ اور رنج کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ گو مسلمان کھلی

اصنام پرستی سے تو محفوظ ہیں، لیکن ہماری بد قسمتی ہے کہ دین سے لاعلمی اور توحید کے حقیقی مقتضیات سے ناواقفیت کے باعث اور اہل ہوس وجاہ اور شاطر قسم کے لوگوں کے فریب میں آکر آج توحید کے دعویدار مسلمانوں کی عظیم اکثریت اولیا ومشائخ پرستی قبر پرستی اور نہ جانے اس نوع کی کتنی پرستشوں میں مبتلا ہے۔ حالانکہ نوعیت کے لحاظ سے اصنام پرستی اور ان پرستشوں میں صرف ظاہر کا فرق ہے۔ اپنی اصل اور رُوح کے اعتبار سے یہ تمام پرستیاں اور پرستشیں شرک ہیں — اس بات کا میں نے اس موقع پر اس لئے ذکر کیا کہ ہم جان لیں کہ شرک کس کس روپ اور بھیس، اور کن کن جاموں اور لباسوں میں ہمارے معاشرے میں موجود ہے اور جیسا کہ میں آغاز میں بطور تمہید عرض کر چکا کہ ہماری نگاہ اتنی تیز ہو جانی چاہیئے کہ ہم اس شعر کے مصداق شرک کو ہر صورت میں پہچان لیں کہ ؎

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش　　من اندازِ قدت رامی شناسم

قرآن حکیم کی تردید

اس نوع کے شرک کی قرآن حکیم میں مختلف اسالیب سے تردید کی گئی ہے، میں وقت کی کمی کے پیش نظر چند آیات پیش کرنے پر اکتفا کروں گا جبکہ میرا اندازہ ہے کہ قرآن مجید کا تقریباً ایک تہائی حصہ ان اقسام وانواع کے شرک کی تردید اور توحید خالص کے اثبات پر مشتمل ہے۔

مظاہر پرستی کی تردید میں فرمایا :-

وَمِنْ اٰیٰتِهِ الَّیْلُ وَالنَّهَارُ	"اور اس کی نشانیوں میں رات اور
وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۚ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ	دن، سورج اور چاند ہیں۔ نہ سورج
وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ	کو سجدہ کرو نہ چاند کو سجدہ
الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ	کرو اس خدا کو جس نے ان کو
اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝ (حٰمٓ السجدۃ ۳۷)	پیدا کیا ہے، اگر تم اسی کی بندگی کرتے ہو۔"

زمین وآسمان کے انتظام کے بٹوارے کے تصوّر کی نفی میں فرمایا۔

وَهُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰهٌ	"وہی ایک آسمان میں بھی خدا ہے
وَّفِی الْاَرْضِ اِلٰهٌ ؕ وَهُوَ	اور زمین میں بھی خدا ہے

السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ (زخرف ۸۴) اور وہی علیم وحکیم ہے۔"

پوری کائنات صرف اللہ تعالےٰ کے تصرّف میں ہے، اس حقیقت نفس الامری کے اظہار واعلان سے سورہ الملک کا آغاز فرمایا۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ (آیت ۱) نہایت بزرگ وبرتر ہے وہ ذات جس کے قبضۂ قدرت میں کائنات کی حکومت وسلطنت ہے۔

زندگی کا یہ نظام اور کارخانہ جن اسباب وعلل سے رواں دواں ہے، اس کا حقیقی مسبب الاسباب صرف اللہ ہے اور اس وسیع وعریض کائنات کی ہر چیز میں سلیم الفطرت اور غور وتدبّر کرنے والے کے لئے وجود باری تعالےٰ اور توحید کی ایک عظیم نشانی موجود ہے اور یہ چیزیں انسان کی چاکری کے لئے تخلیق کی گئی ہیں جیسا کہ سورہ الجاثیہ میں فرمایا۔

اِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَفِيْ خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝ (آیات ۳-۵) "فی الحقیقت آسمانوں اور زمین میں ایمان لانے والوں کے لئے (بے شمار) نشانیاں ہیں اور تمہاری تخلیق میں اور ان حیوانات (کی پیدائش) میں جن کو اللہ (زمین میں) پھیلا رہا ہے بڑی نشانیاں ہیں ان کے لئے جو یقین کرنے والے ہیں اور رات اور دن کے فرق واختلاف میں اور اس رزق میں (مراد بارش) جسے اللہ آسمان سے نازل فرماتا ہے پھر اس کے ذریعہ مردہ زمین کو جلاتا ہے اور ہواؤں کی گردش میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔"

اسی سورۃ مبارکہ میں آگے فرمایا:۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ سَخَّرَ لَكُمُ
الْبَحْرَ لِتَجْرِیَ الْفُلْكُ فِیْهِ
بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ
فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ
وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ
وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ
اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ
لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ۝
(آیات ۱۲-۱۳)

"وہ اللہ ہی تو ہے جس نے تمہارے
لئے سمندر کو مسخر کیا تاکہ اس کے
حکم سے اُس میں کشتیاں چلیں
اور تم اس کا فضل تلاش کرو اور
شکر گزار بنو۔ اس نے اپنے
پاس سے تمام چیزوں کو جو زمین
اور آسمان میں ہیں تمہارے لئے
مسخر کر دیا ہے۔ بلاشبہ اس
عمل میں بڑی نشانیاں ہیں ان
لوگوں کے لئے جو غور و فکر کرنے والے ہیں۔"

سورہ بقرہ میں اس مضمون کو ایک دوسرے اسلوب سے یوں بیان کیا گیا کہ

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ
لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ
الرَّحِیْمُ ۝ اِنَّ فِیْ خَلْقِ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ
وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ
فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ
وَمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ
السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ
الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا
وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ
وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ
الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ
وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ

"تمہارا خدا ایک ہی خدا ہے، اس
رحمان اور رحیم کے سوا کوئی اور
خدا نہیں ہے (اس حقیقت کو
پہچاننے کے لئے نشانی کے طور پر
(عقل سے کام لینے والوں کے
لئے) آسمانوں اور زمین کی تخلیق
میں، رات اور دن کے پیہم ایک
دوسرے کے پیچھے آنے میں،
ان کشتیوں میں جو انسان کے
نفع کی چیزیں لئے ہوئے سمندر میں
اور دریاؤں میں چلتی پھرتی ہیں
بارش کے اُس پانی میں جسے اللہ
اوپر سے برساتا ہے پھر اس کے
ذریعے سے مردہ زمین کو زندگی

یَعْقِلُوْنَ ۝ (۱۶۳-۱۶۴) بخشتا ہے اور زمین میں ہر قسم کی جاندار مخلوق کو پھیلاتا ہے، ہواؤں کی گردش میں، اور اُن بادلوں میں جو آسمانوں اور زمین کے درمیان تابع فرمان بنا کر رکھے گئے ہیں بیشمار نشانیاں ہیں جن کی بدولت انسان اللہ کی توحید کی معرفت حاصل کر سکتا ہے)"

اصنام پرستی کی تردید میں ایک انتہائی بلیغ تمثیل اور نہایت موثر اسلوب سے سورہ میں فرمایا کہ :-

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ	"لوگو! ایک مثال دی جاتی ہے توجہ
مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ	سے سنو۔ جن معبودوں کو تم خدا کو
اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ	چھوڑ کر پکارتے ہو، وہ سب مل
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ	کر ایک مکھی (جیسی حقیر چیز) بھی
یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ	پیدا کرنا چاہیں تو انہیں کر سکتے بلکہ
وَاِنْ یَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ	مکھی ان سے (ان کی نذر کردہ)
شَیْـًٔا لَّا یَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ	سامان خوراک میں سے، کوئی چیز
ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ؕ	چھین لے جائے تو وہ اُس چیز کو
مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ؕ	واپس چھین بھی نہیں سکتے۔ کیا ہی
اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ ۝	بے چارا، بے بس اور کمزور ہے
(۷۳-۷۴)	طالب بھی اور مطلوب بھی! ان

لوگوں نے اللہ کی قدر ہی نہ پہچانی جیسا کہ اس کو پہچاننے کا حق ہے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ قوت و اختیار اور عزت والا تو اللہ ہی ہے"

تاثیر پرستی مظاہر پرستی کی کوکھ سے ایک مزید مشرکانہ تصور نے جنم لیا جس میں انسان ہمیشہ سے مبتلا رہا ہے اور آج کے دور کا انسان بالخصوص مبتلا ہے اور ٹھوکر پر ٹھوکر کھا رہا ہے۔ وہ مشرکانہ تصور یہ ہے کہ انسان اس عظیم مغالطہ میں گرفتار ہے کہ اشیاء میں جو تاثیر و خاصیت ہے، وہ اس کی ذاتی ہے۔ سورج کی حرارت و تمازت اور روشنی اس کی ذاتی ہے۔ سورج، چاند، زمین اور

نظامِ شمسی کی کشش ان کی ذاتی ہیں، ہوا کی صفات اس کی ذاتی ہیں، پانی کے اندر جو اوصاف، تاثیر اور منافع ہیں، وہ سب اس کے ذاتی ہیں۔ آگ میں جلانے اور روشنی دینے کی خاصیت اس کی ذاتی ہے، علی ہذا القیاس — چونکہ اشیاء کی یہی صفات، اوصاف، خاصیتیں اور تاثیریں ہی وہ چیزیں ہیں، جن کی بدولت انسان کے وجود کا تسلسل قائم ہے۔ حیات دنیوی کا سارا کارخانہ ان ہی کی بدولت چل رہا ہے — لہٰذا مذہبی مشرکانہ نقطہ نظر نے اشیاء کی ان صفات اور تاثیرات کو ان اشیاء کے تقدس کو ماننے ان کی تعظیم کرنے ان کی پوجا پاٹ کرنے ان کے آگے عجز و عاجزی کرنے اور نذر نیاز پیش کرنے کے طلسم میں انسان کو مبتلا کیا اور ان مقاصد کے لئے اس سے بڑے بڑے مندر، ہیکل اور معبد تعمیر کرائے۔ اور انسان کو، جو اشرف المخلوقات ہے، جس کی چاکری کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ اسباب و وسائل اور سامان زیست تخلیق فرمایا ہے، ان چیزوں کے سامنے اپنی پیشانی رگڑنے کی انتہائی پستی میں گرا کر اس کا مقام شرف چھین لیا اور اس کو ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ کی وعید کا سزاوار ٹھیرا دیا۔

قرآنی تردید اس نوع کے شرک کی قرآن مجید میں مختلف مقامات پر مختلف اسالیب سے تردید کی گئی ہے اور اس کے لئے وہ استدلال اختیار کیا گیا ہے جو دل نشین اور فطرت سلیم کو پوری طرح مطمئن کرتا ہے۔ میں اس موقع پر صرف سورۃ الواقعہ کی چند آیات پیش کرتا ہوں۔

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ۝	"کبھی تم نے سوچا، یہ بیج جو تم بوتے
ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ	ہو، ان سے کھیتیاں تم اگاتے ہو
نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ۝ لَوْ نَشَآءُ	یا ان کو اُگانے والے ہم ہیں؟ ہم
لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ	چاہیں تو ان کھیتیوں کو بھس بنا کر
تَفَكَّهُوْنَ ۝ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ۝	رکھ دیں اور تم طرح طرح کی باتیں
بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ۝ اَفَرَءَيْتُمُ	بناتے رہ جاؤ کہ ہم پر اُلٹی چٹی پڑ
الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ ۝	گئی بلکہ ہمارے تو نصیب ہی پھوٹے
ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ	ہوئے ہیں۔ کبھی تم نے (آنکھیں
اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ۝	کھول کر) دیکھا، یہ پانی جو تم پیتے

لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا
فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ ۝ اَفَرَءَيْتُمُ
النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ
اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ اَمْ
نَحْنُ الْمُنْشِـُٔوْنَ ۝ ٦٣/٧٢

ہوا سے تم نے بادل سے برسایا ہے
یا اسے برسانے والے ہم ہیں ؟ ہم
چاہیں تو اسے سخت کھاری بنا کر
رکھ دیں پھر کیوں تم شکرگزار
نہیں ہوتے ؟ کبھی تم نے خیال
کیا یہ آگ جو تم سلگاتے ہو اس کا درخت تم نے پیدا کیا ہے یا اس کے پیدا
کرنے والے ہم ہیں ؟ ”

(جاری ہے)

ADARTS-SUA-3/82

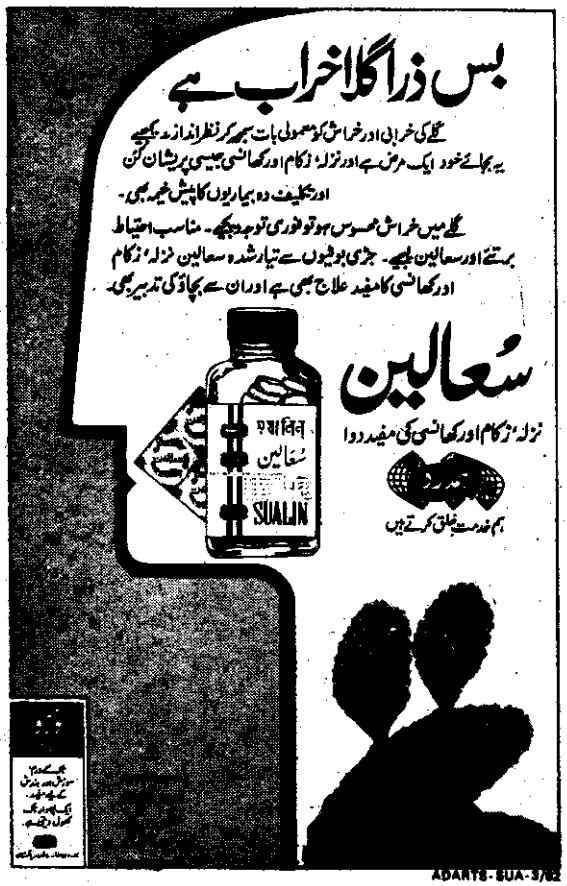

وَأَنزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ

(الحدید : ۲۵)

اور ہم نے لوہا اتارا

جس میں بڑی قوت بھی ہے اور لوگوں کے لیے

بڑے فوائد بھی ہیں۔

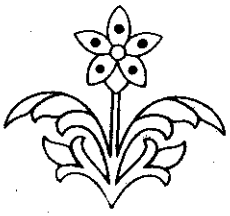

اتفاق فاؤنڈریز لمیٹڈ

۳۲۔ ابسپرس روڈ۔ لاہور

خسرانِ اُخروی سے بچنے کا راستہ

محمد اقبال واحد

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَالۡعَصۡرِ ۙ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَفِیۡ خُسۡرٍ ۙ اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوۡا بِالۡحَقِّ ۬ۙ وَتَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ ﴿۴﴾

زمانہ (زمان غیر مسلسل اس پر) شاہد ہے۔ کہ انسان (بحیثیت مجموعی ہر عہد و ادوار میں) خسران (زیان نقصان اور گھاٹے کا شکار رہا ہے) مگر وہ لوگ اس (خسران زیان سے مستثنیٰ رہے ہیں، رہیں گے دنیا و آخرت میں) جو ایمان لائے عمل صالح انجام دیتے رہے۔ حق کی تاکید کرتے رہے۔ (اور سلسلہ حق گوئی اور اقامت حق ان کو جن مصائب کا شکار بنایا گیا) اُس میں صابر رہے۔ (مفہوم)

قبل اس کے کہ میں سورۃ والعصر کی تفسیر تفہیم اور مطالب عرض کروں اس سورت کی اہمیت عرض کر دینا چاہتا ہوں یہ قرآن حکیم کی وہ سورت ہے جس کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ جس طرح سے ایک کوزے میں دریا بند کر دینے کا محاورہ ہے۔ اس سورت نے تمام مطالب قرآنی کو اپنے اندر سمیٹ لیا ہے۔ اور یہی وہ بنا تھی جس بنا پر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے۔ کہ اگر پورے قرآن مجید میں سے تنہا یہی ایک سورت نازل ہوتی تو انسانوں کی دنیاوی و اخروی فلاح و بہبود کیلئے کافی وافی ہوتی۔ اور یہی بات تھی کہ جب دو رسعادت میں راہ چلتے دو آدمی ملتے۔ تو سلام و کلام سے پہلے اس سورت کا آپس میں تبادلہ کرتے تھے۔ ان تمہیدی کلمات بعد سورت کے مطالب معروض ہیں۔

جب کوئی آدمی غیر معمولی لیکن اہم بات کرتا ہے۔ تو اپنی بات کو یقین کی حد تک پہنچانے کے لئے اپنی بات کی صداقت کے لئے کسی عظیم اور بالاتر شے کو اپنی بات کے ساتھ بطور قسم کے استعمال کرتا ہے۔ یعنی وہ اپنی بات کی سچائی کے لئے قادر کی ذات کو یا اُس کے کلام کو جو اہل ایمان کے نزدیک ایک طے شدہ اور مسلّمہ نشانِ عظمت ہیں۔ بطور شہادت کے پیش کرتا ہے۔ یہ قسم کی حقیقت ہے۔ لیکن جب خالق کائنات اپنے کلام کی ابتدا کسی شے کی قسم سے کرتا ہے۔ تو اس کا مطلب یہ تو ہرگز نہیں ہوتا اور نہ ہو سکتا ہے کہ وہ اُس شے کی عظمت کو اپنے کلام کی ابتداء میں بطور شاہد کے پیش کر رہا ہے اس لئے کہ وہ خود عظمت کے اُس مقام پر ہے۔ جس سے آگے کسی عظمت کا تصور تک نہیں کیا جا سکتا۔ اب سوال یہ ہے۔ کہ قرآن مجید میں باری تعالےٰ نے اپنے کلام کی ابتداء میں بے شمار چیزوں کو بطور قسم کے استعمال کیا ہے۔ تو اُس سے کیا مراد ہے۔ اُس سے مراد یہ ہے۔ کہ خالق کائنات جن چیزوں کو جس شے کو بطور قسم کے اپنے کلام کی ابتدا میں لاتا ہے اُن کی حقیقت ایسے وقائع تاریخی یا واقعات تاریخی یا علامات تکوینی یا نشانات ارضی وسماوی کی ہوتی ہے۔ جو انسان کی چشم سر کے سامنے موجود ہونے کی بنا پر ایسے مضبوط استدلال کے حامل ہوتے ہیں۔ کہ اگر وہ وقائع تاریخی نہیں۔ تو انسان کی گذشتہ تاریخ کا ایک حصہ ہوتے ہیں۔ جن کی سچائی پر شک وشبہ کرنا اُس کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ اور اگر وہ مظاہر کائنات کے شواہد و نظائر ہوتے ہیں۔ تو اُن کی تکذیب کرنا معمولی عقل کے بس کا کام بھی نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ وہ ہر روز انہیں دیکھتا ہے محسوس کرتا ہے۔ معلوم کرتا ہے۔ یہ سورۃ والعصر جو قرآن عزیز کے تیسویں پارے میں مکی دور کے ابتدائی زمانے میں نازل ہوئی ہے۔ اس کی ابتدا زمانے کی قسم سے ہوئی ہے۔ یعنی زمانہ زمانے کی تاریخ زمانے کا اتار چڑھاؤ زمانے کا زیر وبم زمانے کی کامیابی وناکامی زمانے کی ابتدا وانتہا آغاز وانجام نتائج وعواقب عمل اور ردعمل اس بات پر شاہد ہے۔ کہ جو بات آئندہ کہی جا رہی ہے۔ وہ ٹھیک اُسی طرح سے درست اور قطعی ہے۔ جس طرح سے زمانے کی تاریخ اور تاریخ کے نتائج واحوال قطعی ہیں۔ جنہیں تم بھی تسلیم کرتے ہو۔ عصر کے معنی بھی زمانے کے ہیں۔ اور دہر کے معنی بھی زمانے کے ہیں۔ اور حسن اتفاق ہے کہ یہ دونوں نام قرآن مجید کی دو سورتوں کے عنوان بلکہ نام ہیں۔ گو دہر اور عصر کے معنی زمانے کے ہیں۔ لیکن دونوں

میں اہل علم کے نزدیک ایک غیر معمولی درجہ کی اہمیت کا لغوی فرق موجود ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ دہر اُس زمانے کو کہتے ہیں۔ جو زمانہ غیر مسلسل ہو۔ جیسے سکندر و دارا کا زمانہ قیصر و کسریٰ کا زمانہ قوم صالح قوم عاد، قوم ثمود، بنی اسرائیل خلافت راشدہ عباسیوں امیوں، عثمانیوں، ترکوں راجوں مہاراجوں مغلوں تاتاریوں کے زمانے لیکن علحدہ علحدہ زمانے برخلاف ازیں عصر اس زمانے کو کہتے ہیں۔ جو زمان مسلسل پر مشتمل ہو۔ یعنی وہ زمانہ جو یوم الست کو شروع ہوا تھا۔ اور انسانوں کے خلود فی النار یا خلود فی الجنت تک کے زمانے کو محیط ہے۔ گویا وہ تمام زمانے غیر مسلسل جو اوپر عرض ہوئے، اس زمان غیر مسلسل کے نیچے ہیں۔ تو یہ زمان غیر مسلسل شاہد ہے۔ کہ اُن تمام زمانوں میں جو انسانی تاریخ میں بٹے ہوئے ہیں۔ اُن سب کے درمیان ایک قدر مشترک ہے (سوائے ایک زمانے کے جو عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور خلافت راشدہ پر مشتمل ہے۔) اور وہ قدر مشترک یہ ہے۔ کہ انسان بحیثیت انسان انسان بحیثیت جنس انسان انفرادی طور پر بھی اور مجموعی طور پر بھی عمومی طور پر بھی اور خصوصی طور پر بھی ہر زمانے زیاں خسران آفت مصیبت پریشانی (زیانِ جان و مال و آبرو) کا شکار رہا ہے۔

ظاہر ہے۔ کہ تاریخ انسانی کے یہ خسران اور زیاں زلزلے قحط بیماریاں اور دیگر زمینی و آسمانی تکوینی اور غیر تکوینی آفات تو ہو نہیں سکتیں۔ اس لئے کہ تاریخ انسانی میں بعض خطے اور بعض حصے ایسے بھی ہو سکتے ہیں اور ہوتے ہیں کہ جن میں کوئی زلزلہ نہ آیا ہو کبھی خشک سالی کے نتیجہ میں قحط نہ آیا ہو۔ وبائی امراض نہ آئے ہوں۔ آسمان سے ژالہ باری نہ ہوئی ہو، ہوائی اور سمندری طوفان نہ آتے ہوں — لفی خسر میں مجرد نقصان کا ذکر ہوا ہے۔ جو اس بات کی نشان دہی کرتا ہے۔ کہ یہاں کوئی ایسا زیاں مراد ہے۔ جو ہمہ گیر عالم گیر مستقل اور دائمی ہو۔ جس سے اپنی پوری معلوم تاریخ میں پوری نوع انسانی گذری ہو گذر رہی ہو۔ جس کے کوئی خطہ زمین کسی خطہ زمین کے باشندے ایک ایک فرد کی حیثیت سے بھی اور ایک ایک قوم کی حیثیت سے بھی متاثر ہونے سے رہ گئے ہوں جو اتنا نمایاں ہو کہ اُس سے نمایاں کوئی شے نہ ہو جو اتنا ظاہر ہو کہ اُسکی ظاہریت سے انکار انسان کے بس سے باہر کی بات ہو جو اتنا ہمہ گیر ہو کہ انسانوں کی عظیم اکثریت نے اُسے دیکھا ہو جہاں تک میں غور کرتا ہوں مجھے پوری انسانی تاریخ میں اس نوع کا ایک ہی نقصان

نظر آتا ہے - کہ جس سے کسی زمانے کا کوئی انسان نہ بچا ہو - اور وہ ہے - انسانی
جان مال اور آبرو کا استحصال - وہ ظلم و جبر زور و قوت کا استحصال جس سے
تاریخ کے پس ماندہ انسانوں کا کوئی گروہ کسی زمانے میں کسی خطے میں نہیں بچ سکا
بڑی مچھلیوں نے چھوٹی مچھلیوں کو نگلا ہے - انسان تاریخ کے ہر دور میں ہر عہد
میں ہر زمانے میں ہر خطے میں اپنے زبردستوں زوردستوں طالع آزما حکمرانوں نوابوں
جاگیرداروں تعلق داروں غنڈوں بدمعاشوں کے استحصال کا شکار رہا ہے -
اور رہے - انسان وہ صید زبوں ہے - جس کے گوشت کی لذت سے جامہ آدمیت
میں ملبوس آدم خوروں نے اپنے کام و دہن کی لذت کا سامان کیا ہے - جس کے
مال کو جس کی آبرو کو زور و قوت کے ذریعہ ہر زمانے کے فرعونوں نمرودوں قارونوں
نے شیر مادر سمجھا ہے اور شیر مادر سمجھ کر ہضم کیا ہے - جس کی مثال جنگل کے جانوروں
میں تلاش کرنا چاہیں - تو نہیں ملے گی - کیا کبھی کسی کے سننے میں آیا ہے - دیکھنے میں
آیا ہے کہ جانوروں نے باقاعدہ ایک فوج ظفر موج ترتیب دیکر لاؤ لشکر ٹینک توپ تفنگ ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم اور بم بار طیاروں کے ساتھ دوسرے کسی جنگل
کے جانوروں پر حملہ کر کے اُن کے ٹھکانوں کو تہس نہس کر دیا ہو اُن کو صفحہ ہستی سے
نیست و نابود کر دیا ہو - اُن کی ہڈیاں چبا ڈالی ہوں اور ان کا خون چوس لیا ہو
ان کی ماؤں کے برہنہ جلوس نکالے ہوں - یہ "سعادت" صرف حضرت انسان کے
حصہ میں آئی ہے - جو حیوان ناطق علم و عقل کا مدعی تہذیب و تمدن کا دعوی دار
امن و سلامتی کا پرچارک بزعم خویش اشرف المخلوقات ہے - کہ اُس نے اپنی ہوس
جوع الارضی کو پورا کرنے کے لئے اپنے دوام اقتدار کے لئے اپنے نفس کے شیطان
کو خوش کرنے کے لئے اُس کو سامان عیش و عشرت بہم پہنچانے کے لئے زمین
کے ایک کونے سے لے کر دوسرے کونے تک کبھی احساس بالاتری کے نام پر
کبھی رنگ و نسل کے نام پر اور کبھی اپنی نفسانی اور حیوانی خواہشات کو پورا کرنے
کے نام پر اپنے سے کمزور تر ابنائے جنس کو اپنی خواہشات سفلی کے بت پر بھینٹ چڑھا
ہے - اور اس سلسلے میں ظلم کی کوئی قسم ایسی نہیں تھی - جو اُس کے دست تطاول
سے بچ نکلی ہو - وہ استحصال کے لاؤ لشکر کے ساتھ تاریخ انسانی کے ہر دور

لائے بے درماں کی طرح آیا - اور اپنے سے کمزور تر انسانوں کے جان و مال اور
بر دو پر بھوکے کتوں کی طرح ٹوٹ پڑا - کبھی یہ استحصال سکندر و دارا کی شکل میں
یا - جنہوں نے ملک ملک پر اپنی حکمرانی کے پرچم گاڑنے کے لئے مشرق سے لیکر
غرب تک اور شمال سے لیکر جنوب تک بستیوں کی بستیاں تاخت و تاراج کر دیں -
ر کبھی یہ فراعنہ کی شکل میں آیا - جو بنی اسرائیل سے جو اُن کے غلام تھے - جانوروں
سے بدتر سلوک کرتے رہے - اہرام مصر کی پرشکوہ اور بلند و بالا تعمیرات میں اُنکے
ان کو اینٹ گارے کی شکل میں استعمال کرتے رہے - اُن مظلوم ہمہ وقتی مزدوروں
ے جنکی وہ کوئی مزدوری بھی ادا نہیں کرتے تھے - بھاری بھاری پتھر اُٹھواتے
رجب وہ فاقوں سے لاچار تھک کر چور چور ہو کر بیچ چوراہوں کے گر پڑتے - تو
ن کی ننگی پیٹھوں پر کوڑوں کی بارش برسا دیتے اُن کے رہنے کے لئے نہ در تھے نہ
وار تھے - نہ مکان تھے نہ مسکن تھے - اور جب ان کے ہاں بچے پیدا ہوتے تو پیدا ہوتے
ی ذبح کر دیتے - بچیوں کو زندہ رہنے دیتے - تاکہ سن جوانی کو پہنچ کر وہ ان کی عشرت
ر کبھی یہ استحصال نادرہ کی شکل میں آیا - جو ستیوں کی بستیاں نذر آتش کر کے اپنے
ینے کی آگ کو ٹھنڈا کرتے - زندہ انسانوں کی کھالیں کھنچوا لیتے - پتھر کے بتوں کے
منے اُن کو ذبح کر دیتے - کہ یہ ان کی عبادت تھی اور کبھی یہ استحصال قیصر و کسریٰ
شکل میں آیا - جو اپنی سواریوں رتھوں کے سامنے ہٹو بچو کے لئے ستم رسیدہ انسانوں
اپنی اظہار شان و شوکت کے لئے دوڑاتے - اور جب وہ تھک کر بیچ شاہراہوں
ں گر پڑتے - تو چابکوں سے ان کی کھالیں ادھیڑ کر رکھ دیتے، اور کبھی یہ استحصال
ت نصر کے ہاتھوں آیا - کہ اُس ظالم اور ستم گر فرماں روا نے بنی اسرائیل کے عورتوں
ر بچوں تک میں سے ایک کو بھی معاف نہیں کیا - پوری کی پوری قوم کو تہ تیغ اور
ے کے پورے شہر اور بستیاں ویران کر کے رکھ دیں کھیتیاں اجاڑ دیں، کھیتیاں اجاڑ
ں ثمردار درختوں کو کاٹ دیا - دریاؤں کے بند باندھ کر پورے ملک کو غرق آب کر
ا، اور یہی کچھ بنی اسرائیل نے اپنے دور حکمرانی میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے ساتھ کیا -
ہ زندہ انسانوں کی کھالیں کھینچ لی گئیں - ہاتھ پیر توڑ دیئے گئے - آنکھیں پھوڑ دی
ئیں - ان ظالموں نے یہاں تک پرواز کی کہ خدا کے برگزیدہ اور پاک باز بندوں

اُس کے نبیوں اور رسولوں کا خون بہانے سے بھی دریغ نہیں کیا - عیسائی حکمرانوں کے ساتھ مل کر عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے زعم میں سولی پر چڑھا دیا - یحییٰ علیہ السلام کا سر کاٹ کر ایک عیاش حکمران نے اپنی محبوبہ کے قدموں میں ڈال دیا - کسی نبی کو آروں سے چیر دیا - کسی کو دریا میں ڈبو دیا، کسی کو زندہ دیوار میں چن دیا -

یونان میں ارسطو نے حق و صداقت کا اعلان کیا جواب میں زہر کا پیالہ اُس کے منہ سے لگا دیا گیا - روم کے حکمران نیرو نے روم کو آگ لگا دی - اس حال میں کہ وہ اپنے محل کے جھروکے میں کھڑا ہوا بانسری بجا رہا تھا - ہندوستان میں مذہب کے ٹھیکیداروں برہمنوں نے زندہ عورتوں جیتی جاگتی بیویوں کو اپنے مرنے والے شوہروں کی چتا پر رکھ کر آگ لگا دی - اور راہ چلتے اگر کسی شودر نے سوء اتفاق سے ان کے مذہبی بھجن کا کوئی بول سن لیا - تو گرم سیسہ پگھلا کر اُس کے کان میں ڈال دیا گیا - غرضیکہ انسانی تاریخ کی خون چکانی کا یہ وہ باب ہے - کہ جس کا کوئی ورق نہیں ہے - جو لہو لہو نہیں ہے - انسانی جان مال اور آبرو کا وہ سر بازار نیلام ہے - وہ برسرِ عام قتلِ عام ہے - کہ جس کا حیطہ دشوار ہے - یہ انسانیت کی تذلیل کی شب تیرہ و تار تھی - کہ رحمت حق موجزن ہوئی کہ وادی غیر ذی زرع میں پہاڑوں اور صحراؤں کی خزاں رسیدہ وادیوں میں کائنات کی شب تاریک میں آفتاب صداقت نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل میں طلوع ہوا - کہ جن کے مبارک ہاتھوں تیئس ۲۳ سالہ شب و روز کی کاوشوں اور آپ کے رفقاء کی زہرہ گداز قربانیوں کے نتیجہ میں ایک ایسا انقلاب آیا - کہ جس نے کائنات انسانی کے شب و روز کو پلٹ کر رکھ دیا - ایمان کی بہار آئی - جس بہار نے خشک زار پہاڑوں اور صحراؤں کی سرزمین کو گل و گلزار میں تبدیل کر دیا - تاریخ انسانی کا یہ پہلا موڑ تھا - جس موڑ پر انسان نے اپنے آپ کو پہچانا - اپنے خود کو پہچانا - اپنے خالق کو پہچانا - سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک سے ایمان و یقین کی وہ شمع روشن ہوئی - جس نے سارے عالم کو منور کر دیا - جس کے نتیجہ میں ایک معاشرہ ایک ایسی سوسائٹی ایک ایسا سماج ایک ایسا نظام حیات ایک ایسی ریاست عادلہ عالم وجود میں آئی - جس نے اُس شرف انسانی کو جو صدیوں سے جباروں اور قہاروں کے پاؤں تلے روندا

جارہا تھا فلک آسا بلندیوں تک پہنچا دیا جس معاشرہ ، سماج ، سوسائٹی اور ریاست میں نہ کوئی استحصال کنندہ رہا اور نہ کوئی استحصال زدہ رہا نہ کوئی راعی رہا اور نہ کوئی رعیت اور نہ کوئی آقا رہا اور نہ کوئی مملوک رہا نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز رہا نہ کوئی جہاں پناہ رہا اور نہ کوئی بے پناہ اور نہ کوئی شاہ جہاں رہا اور نہ کوئی بے جہاں رہا - نہ کوئی سلطان رہا اور نہ کوئی خاکوان رہا - نہ کوئی محمود رہا اور نہ کوئی ایاز رہا - نہ کوئی برہمن رہا اور نہ کوئی اچھوت رہا - نہ کوئی سید رہا اور نہ کوئی میراثی رہا - نہ کوئی اعلیٰ رہا اور نہ کوئی ادنیٰ رہا - نہ کوئی تخت نشین رہا - اور نہ کوئی بوریہ نشین رہا - نہ کوئی قصر و ایوان والا رہا اور نہ کوئی جھونپڑوں والا رہا - قانون کی نگاہ میں عدل کی صف میں انصاف کے ترازو میں شرف و منزلت کے پیمانے میں معیشت میں معاشرت میں حقوق میں فرائض میں اکرام آدمیت میں احترام انسانیت میں سب کے سب ایک ہی خالق کے بندے ایک ہی معبود کے عابد ایک ہی چوکھٹ کے پجاری ایک ہی رسم و راہ کے راہی ایک ہی صف کے شاہ و گدا ایک ہی صف کے غازی ایک ہی سطر کے غازی عدلیہ میں انتظامیہ میں سماج میں سوسائٹی میں معاشرہ میں سب کا خون ایک تھا - سب کی جان ایک تھی سب کا مال ایک تھا - سب کی عزت ایک تھی سب کی آبرو ایک تھی - کسی کو کسی پر کسی نوع کا نہ امتیاز تھا نہ اقتدار تھا نہ سروری تھی نہ جہاں بانی تھی - نہ کوئی کسی کے لئے نرم چارہ نہ نوالۂ تر کسی کی ہمت نہیں تھی کسی کی جان نہیں تھی کسی کا ایمان نہیں تھا - کہ وہ کسی اپنے سے کمزور کی عزت پر جان پر مال پر آبرو پر دست درازی کر سکے - جس طرح سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جان مال عزت آبرو جس طرح سے امیر المومنین کے جان مال عزت آبرو محترم تھے - ٹھیک اسی طرح سے ایک عام آدمی کے بھی تھے - چادر اور چار دیواری کہ ہر شخص کی بہو بیٹی دوسرے کی بہو بیٹی کے مانند تھی - عدلیہ کی زد میں اگر ایک عام آدمی تھا تو امیر المومنین بھی تھے - راتوں کو دروازے کھلے رہتے چور نہیں تھے - پردہ نشین بازاروں میں ضروریات کے لئے جاتیں غنڈے نہیں تھے - مال و منال موجود تھے ڈاکو نہیں تھے - ہزاروں میل سے پیدل چل کر ایک عورت خانہ کعبہ کے حج کے لئے سفر کرتی تھی سونا اچھالتی آتی راہ میں کوئی رہزن نہیں تھا - ظالم کوئی نہیں تھا مظلوم

کوئی نہیں تھا۔ ستم گر کوئی نہیں تھا ستم رسان کوئی نہیں تھا۔ عیاش کوئی نہیں تھا۔ مترف کوئی نہیں تھا۔ خدا کے ڈر کے سوا خدا کی حقیقت کے سوا خدا کی محبت و اطاعت کے سوا محاسبہ اعمال کی فکر کے سوا نہ کسی کو کسی کا ڈر تھا، نہ خوف تھا نہ حزن تھا نہ ملال تھا۔ آزادیٔ رائے تھی گفتار تھی آزادیٔ ضمیر تھی آزادیٔ تنقید تھی نہ قید خانے تھے نہ قتل گاہیں تھیں نہ مذبح خانے تھے نہ یتیم خانے تھے نہ محتاج گھر تھے۔ نہ ہٹو بچو کا سماں تھا نہ گارڈ آف آنر تھے نہ مارچ پاسٹ تھا۔ نہ باڈی گارڈ تھے۔ حاکمیت ایک تھی اور وہ خدائے واحد کی تھی۔ معاشرت ایک تھی اور وہ عین دین کے مطابق تھی معیشت ایک تھی اور وہ عین اسلام کے معاشی نظام کے مطابق تھی۔ سیاست ایک تھی اور وہ عین قانون خداوندی کے مطابق تھی سزا ایک تھی جزا ایک تھی طرز بود و ماند ایک تھی لباس ایک تھا طعام ایک تھا۔ کلام ایک تھا سلام ایک تھا۔ غرضیکہ سب کے سب اوپر سے لے کر نیچے تک ظاہر سے لے کر باطن تک امیر سے لیکر غریب تک بڑے سے لے کر چھوٹے تک راعی سے لیکر رعایا تک ایک ایک فرد عابد تھا زاہد تھا۔ متقی تھا۔ خدا ترس تھا۔ خدا خوف تھا۔ بندۂ خدا تھا۔ اور اس بندگی میں اپنے نفس سے یکسر کسی کی بندگی کا شائبہ تک موجود نہیں تھا۔ وہ شب کے زندہ دار دن کے شہسوار صبر جمیل کے پیکر مجاہد فی سبیل اللہ قتیل فی سبیل اللہ یہ کس کا فیضان تھا۔ یہ اسلام کا فیضان تھا۔ یہ دین حق کا فیضان تھا۔ یہ قرآن کی سورہ والعصر کا فیضان تھا کہ کائنات انسانی کی پوری معلوم تاریخ میں ایک ایسا معاشرہ عالم وجود میں آیا۔ جو ہر نوع کے دنیاوی خسران سے پاک تھا۔ ہر نوع کے اُخروی زیاں سے پاک تھا۔

لیکن وائے ناکامی کہ متاع کارواں جاتا رہا۔ کہ ابھی اس صورت حال کو استحصال سے پاک معاشرہ کو پورے پچاس سال بھی نہیں گذرے تھے۔ کہ پھر استحصال جو انسانی زیاں و خسران کا سمبل ہے۔ اپنے پورے جوبن کے ساتھ اپنی تمام تر خوش آسامیوں کے ساتھ محلات و قصور کے ساتھ اور محلات و قصور کی عشرت گاہوں کے ساتھ آموجود ہوا۔ گاڑی پٹڑی سے اتر گئی — یا یوں سمجھ لو — کہ طالع آزما حکمرانوں دنیا ساز سیاست دانوں بندگان درہم و دینار و زمان

قیصر و کسریٰ نے اتار دی - خلافت کی جگہ ملوکیت نے اور امارت کی جگہ ملک عضوض نے لے لی -- اور خدا پرستی گئی اور نفس پرستی آئی -- اہل دول کے دنیاوی مفادات نے نفسانی جذبات نے قرآن کو خدا کے احکام کو تعلیمات اور فرامین کو حاکمیت اور سروری کو اُسوۂ رسولؐ کو اور اسوہ صحابہ کو طاق نسیاں کی زینت بنا دیا۔ اور پھر ایک بار انسان استحصالی کے پنجۂ خون آشام میں ہر روز مرتا اور جیتا رہا - اُس کے جان مال عزت آبرو نام نہاد مسلمان نام کے بادشاہوں اور شہنشاہوں قیصر و کسریٰ کے وارثوں کے رحم و کرم پہ ہو کر رہ گئے - جنگ جمل جنگ صفین کربلا کے معرکے برپا ہوئے - اُمویوں نے عباسیوں کا خون بہایا - اور عباسیوں نے اُمویوں کی سربریدہ لاشوں پہ دسترخوان بچھا دیا - شراب پانی کی طرح بہنے لگی - لونڈیوں کی فوج در فوج چنگ و رباب کے ساتھ آموجود ہوئی - انسان کا خون اُس کا مال جان عزت آبرو ہر شے مباح قرار دے دی گئی

(باقی آئندہ)

عَنْ اَبِیْ رُقَیَّةَ تَمِیْمِ بْنِ اَوْسٍ الدَّارِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ
اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :-

"اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَةُ"

قُلْنَا: "لِمَنْ؟" ——— قَالَ
"لِلّٰهِ وَلِکِتَابِهٖ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِاَئِمَّةِ الْمُسْلِمِیْنَ وَعَامَّتِهِمْ"

——— (رواہ مسلم) ———

و ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "دین تو بس وفاداری اور خیر خواہی کا نام ہے"۔ صحابہؓ نے پوچھا: "حضور! کس کی؟" آپ نے فرمایا - "اللہ کی، اس کی کتاب کی، اس کے رسول کی اور مسلمانوں کے رہنماؤں اور عوام سب کی!"

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ

وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ

سورۃ الاسراء۔ الآیۃ ۸۲

عطیہ: حاجی محمد سلیم

حاجی شیخ نورالدین اینڈ سنز لمیٹڈ (Exporters)

۳۰۱، لنڈا بازار، لاہور ۳۰۶۴۶۸ / ۳۰۵۴۶۹

عورت اور اسلامی معاشرہ

افضال احمد

قبل اس کے کہ اسلام میں عورت کے مقام اور حقوق و فرائض کو زیرِ بحث لایا جائے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مختلف انسانی تہذیبوں میں عورت کو جو رتبہ اور جو حیثیت دی گئی ہے اسے کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا جائے تاکہ اسلامی قانون کی شانِ اعتدال سامنے آسکے۔ عربی کی ضرب المثل ہے تعرف الاشیاء باضدادھا، اشیاء اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہیں۔ پس اسلامی احکام کے ربط، ان کی حکمت اور اہمیت سمجھنے کے لئے یہ امر لازمی اور ضروری ہے کہ دیگر مذاہب اور تہذیبوں میں عورتوں کے رُتبے کو واضح کیا جائے۔

عورت، تاریخ کے آئینے میں

نسلِ انسانی جن مسائل کو حل کرنے میں ناکام رہی ہے، ان میں سے ایک مسئلہ معاشرے میں عورتوں کی حیثیت کا بھی ہے۔ دنیا کی تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ انسان نے اس سلسلے میں افراط و تفریط کی راہ اختیار کی ہے۔ وہ کبھی دائیں جانب انتہا تک چلا گیا، پھر اپنی غلطی کا احساس کر کے پلٹا اور حدِ اعتدال عبور کرتے ہوئے بائیں طرف انتہا تک پہنچ گیا۔ زندگی کی ڈور سے لٹکا ہوا انسان پنڈولم کی طرح جھولتا رہا مگر عدل و انصاف اور حقیقت و سچائی کی راہ نہ پا سکا اگر اس زمانے کو جسے وحشت اور بربریت کا دور کہا جاتا ہے، نظر انداز کر دیا جائے تب بھی بقیہ تاریخِ انسانی میں عورت کے ساتھ جو سلوک کیا جاتا رہا ہے اور آج کل جو کچھ کیا جا رہا ہے وہ فطرت کے خلاف ہے اور اس لئے ظالمانہ ہے۔ تفصیل آگے آئے گی۔ اس سلسلے میں چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

یونان قدیم یونان میں جو علم، تہذیب اور شائستگی کا گہوارہ سمجھا جاتا تھا، عورتوں کی حالت اخلاقی، سماجی اور قانونی ہر لحاظ سے پست تھی۔ عزت کا مقام مرد کے لئے مخصوص

تھا۔ یونانیوں کی نگاہ میں عورت ایک ادنیٰ درجے کی مخلوق تھی۔ چنانچہ یونانی خرافیات (MYTHOLOGIES) میں ہے کہ جیوپیٹر سے ایک دیوتا نے پوچھا " تو ہمیں سلسلۂ تناسل میں عورت سے بے نیاز کیوں نہیں بنا دیتا " انڈرومیکی نے لکھا ہے کہ یونانی کہتے تھے " آگ سے جل جانے اور سانپ کے ڈسنے کا علاج ممکن ہے لیکن عورت کے شر کا مداوا محال ہے۔" سقراط کہتا ہے کہ عورت سے زیادہ فتنہ اور کوئی نہیں[1]

تمدن کی ترقی اور علم کی روشنی کا یونانی معاشرے پر یہ اثر ہوا کہ عورت کا سماجی رتبہ کسی قدر بڑھ گیا رفتہ رفتہ اہل یونان پر نفس پرستی کا غلبہ بڑھنے لگا اور شرافت، اخلاق اور عصمت و عفت کا تصور مٹ گیا۔ نکاح کو ایک غیر ضروری رسم سمجھا جانے لگا اور عورت کی قدر و قیمت کا انحصار محض اس بات پر سمجھا جانے لگا کہ مرد کے لئے کہاں تک ذریعہ عیش و مسرت بن سکتی ہے۔ یونانیوں کی اخلاقی گراوٹ نے ان کے فنون لطیفہ میں بھی ظہور کیا اور سارے معاشرے میں صنفی ابتری پھیل گئی۔ آخر کار وہ مادی لحاظ سے بھی زوال پذیر ہوئے اور اس کے بعد انہیں نشاۃ ثانیہ نصیب نہ ہو سکی۔

لارڈ بیرون نے کہا ہے[2]:

" اگر تم اس بات پر غور کرو کہ قدیم یونان کی تہذیب و تمدن کے انحطاط میں کس چیز کا گہرا دخل ہے تو تمہیں یہی بات نظر آئے گی کہ وہاں عورت کو خلاف فطرت آزادی دی گئی تھی اور وہ کلیتہً گھریلو ذمہ داریوں سے کنارہ کش ہو گئی تھی۔ اور اس نے آزادانہ طور پر اجنبی مردوں سے میل جول شروع کر دیا تھا۔"

روم قدیم روما میں عورت کا درجہ نچلے عوامی طبقے سے بھی کم تھا۔ شوہر کو اپنی بیوی اور بچوں پر پورا اختیار ہوتا تھا حتیٰ کہ وہ چاہے تو بیوی کو قتل بھی کر سکتا تھا[3] رفتہ رفتہ اہل روم نے تہذیب و شائستگی کی طرف قدم رکھا اور خاندانی نظام میں کسی قدر اعتدال پیدا ہوا۔ معاشرے میں شرافت اور عفت و پاکیزگی کو اچھا سمجھا جانے لگا۔ کچھ عرصہ بعد یہ صورت حال بدل گئی اور عائلی نظام کا شیرازہ بکھرنے لگا۔ رومی عورتیں معاشی لحاظ سے خود مختار اور دولت مند ہونے لگیں۔

---

[1] صحابیات از نیاز فتح پوری

[2] المرأۃ بین الفقہ و القانون از مصطفیٰ السباعی

[3] تاریخ اخلاق یورپ از کیلی

لہٰذا طلاق کی کثرت ہوگئی۔ بدکاری اور بداخلاقی کا سیلاب آگیا۔ حتیٰ کہ رومی تہذیب برباد ہوگئی۔ کیمبرج یونیورسٹی کے ڈاکٹر جے۔ ڈی انوّن لکھتے ہیں[۱]:

"دوسری صدی میلادی میں رومی سلطنت اپنے پورے عروج پر تھی۔ پھر آہستہ آہستہ ایسی نسل آگئی جس کا مقصدِ حیات جذبۂ جنسی کی تسکین تھا۔ اس نسل میں نہ ہمت کار تھی۔ نہ قوتِ عمل۔ نتیجۃً سلطنت روبہ زوال ہوگئی۔"

ایران

تمدن اور تہذیب کے معاملے میں ایران سلطنتِ روما کا برابر کا ساتھی تھا۔ مگر وہ انسانیت کے دشمنوں کی آماجگاہ بن گیا تھا۔ جن رشتوں سے ازدواجی تعلق کو ہم حرام سمجھتے ہیں ان کی حرمت اہلِ ایران کو تسلیم نہ تھی[۲]۔ پروفیسر آرتھر کرسٹن کے بقول بیٹی یا بہن سے اس قسم کا رشتہ ایران میں کوئی ناجائز فعل تصور نہیں کیا جاتا تھا۔ چینی سیاح ہوئن سیانگ کا بیان ہے کہ ایرانی قانون اور معاشرت میں ازدواجی تعلق کے لئے کسی رشتے کو بھی مستثنیٰ نہیں رکھا گیا[۳]۔

تیسری صدی میں مانی نام کے فلسفی نے یہ تحریک چلائی کہ نکاح ختم کردینا چاہئے تاکہ نسلِ انسانی منقطع ہو جائے اور اسے نور و ظلمت پر ابدی فتح حاصل ہو سکے[۴]۔

پانچویں صدی میں مزدک نے اعلان کیا کہ سب انسان برابر ہیں اور ہر ایک کو دوسرے کے مال اور بیوی پر یکساں حقوق حاصل ہیں۔ عیش پرستوں نے اس دعوت پر لبیک کہا۔ بادشاہ نے بھی اس تحریک کی حوصلہ افزائی کی اور نتیجہ یہ ہوا کہ ایران میں بدی و بےحیائی جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ عام شہری اس بلائے ناگہانی کا سب سے بڑا شکار بنے۔ جو جس کے گھر میں چاہتا گھس جاتا اور مال و زن پر قبضہ کر لیتا۔ صاحبِ خانہ کچھ بھی نہ کر سکتا تھا[۵]۔ اس طرح جو پراگندگی اور انتشار پھیلا ہوگا اس کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

عرب

سرزمینِ عرب میں عورت کا شمار بدترین مخلوقات میں کیا جاتا تھا۔ عورت کے مال کو مرد

۱؎ سیکس اینڈ کلچر از ڈاکٹر جے ڈی انوّن

۲؎ تاریخ طبری۔ جلد ۳

۳؎ ایران بعہد ساسانیاں

۴؎ انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر از ابوالحسن علی ندوی

۵؎ تاریخ طبری۔ جلد ۲

اپنا مال سمجھتے۔ وہ ترکہ اور میراث میں کوئی حصّہ نہ پاتی۔ شوہر کے مرنے کے بعد اس کو اجازت نہ تھی کہ دوسرا نکاح کر سکے۔ دوسرے سامان اور جانوروں کی طرح وہ بھی وراثت میں منتقل ہوتی رہتی تھی۔ لڑکیاں چونکہ جنگ میں حصّہ نہ لے سکتی تھیں بلکہ خود ان کی حفاظت مردوں کو کرنا پڑتی تھی اس لئے بچیوں کی پیدائش موجبِ ننگ و عار سمجھی جاتی۔ قرآن کہتا ہے۔

"جب ان میں سے کسی کو بیٹی کے پیدا ہونے کی خوشخبری دی جاتی ہے تو اس کے چہرے پر کلونس چھا جاتی ہے اور وہ بس خون کا گھونٹ پی کر رہ جاتا ہے۔ لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے کہ اس بری خبر کے بعد کیا کسی کو منہ دکھائے۔ سوچتا ہے کہ ذلت کے ساتھ بیٹی کو لئے رہے یا مٹی میں دبا دے۔ (نحل - ۵۸، ۵۹)

ہشیم بن عدی نے ذکر کیا ہے کہ لڑکیوں کو زندہ دفن کر دینے کا رواج عرب کے تمام قبائل میں موجود تھا۔ ایک اس پر عمل کرتا، دس چھوڑتے تھے۔ یہ سلسلہ اسلام کے ظہور تک رہا۔ بعض شرفا اور رؤسا ایسے مواقع پر بچیوں کو خرید لیتے اور ان کی جانیں بچا لیا کرتے تھے[1]

مولانا حالی نے دورِ جاہلیت کی عورت کے متعلق کہا ہے

جو ہوتی تھی پیدا کسی گھر میں دختر
تو خوفِ شماتت سے بے رحم مادر
پھرے دیکھتی جب تھے شوہر کے تیور
کہیں زندہ گاڑ آتی تھی اس کو جا کر
وہ گود ایسی نفرت سے کرتی تھی خالی!!!!
جنے سانپ جیسے کوئی جننے والی

ہندوستان قدیم ہندوستان میں عورت کو ہمیشہ کمزور اور بے وفا سمجھا گیا۔ بچپن میں اس کو باپ کی، جوانی میں شوہر کی اور بیوگی میں اولاد کی مملوکہ بن کر رہنا پڑتا تھا۔ نکاح کے لئے اس کی رائے کوئی اہمیت نہیں رکھتی تھی۔ اسے شوہر کی چتا پر بھینٹ چڑھایا جاتا تھا۔ ڈاکٹر لی بان نے لکھا ہے[2]۔

---

[1] انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر

[2] تمدنِ ہند

"بیواؤں کو اپنے شوہروں کی لاش کے ساتھ جلانے کا ذکر منوشاستر میں نہیں ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسم ہندوستان میں عام ہو چلی تھی، کیونکہ یونانی مؤرخین نے اس کا ذکر کیا ہے۔"

رفتہ رفتہ دوسری تہذیبوں کی طرح ہندوستان میں بھی صنفی انتشار کا دور آیا۔ مقدس کتابوں اور مذہبی پیشواؤں نے اہم حوادث کے وقوع اور موجودات کے وجود کی توجیہہ کے سلسلے میں شرمناک روایتیں بیان کیں۔ بے حیائی کے مظاہر ہندو دیوتاؤں کے مجسموں اور ان کی خرافیات میں بھی عام ہو گئے۔ یہاں تک کہ ہندو بحیثیت قوم انحطاط اور زوال کا شکار ہو گئے۔

مسیحی یورپ جب عیسائیت نے اپنا اثر و رسوخ بڑھانا شروع کیا تو یورپ زوال کے بدترین درجے تک پہنچ گیا تھا۔ مسیحی مبلغین نے شروع میں اچھی خدمات انجام دیں اور فواحش کا انسداد کیا۔ مگر عیسائیت خود عورت کے متعلق کوئی اچھا خیال نہیں رکھتی تھی۔ ترتولیاں جو ابتدائی زمانے کے ائمہ مسیحیت میں شمار ہوتا ہے، عورت کے متعلق مسیحی خیالات کی یوں عکاسی کرتا ہے۔

"وہ شیطان کے آنے کا دروازہ ہے، وہ شجر ممنوعہ کی طرف لے جانے والی ہے۔ خدا کے قانون کو توڑنے والی اور خدا کی تصویر، مرد کو غارت کرنے والی ہے۔"[1]

مسیحیت نے اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھایا اور ہر قسم کے ازدواجی تعلق کو گناہ قرار دے دیا۔ اس نظریئے نے نہ صرف معاشرے اور سماج پر برا اثر ڈالا بلکہ عورت کا مرتبہ بھی پست کر دیا۔ سولہویں اور سترہویں صدی میں جب جادو ٹونے کا خیال لوگوں کے دلوں میں بیٹھ گیا تو اکثر اوقات الزام عورتوں پر ہی رکھا جاتا اور وہی ظلم کا شکار ہوتی تھیں۔ انگزینڈر ششم نے ۱۴۹۴ء میں، لوئی دہم نے ۱۵۲۱ء میں اور اڈرین ششم نے ۱۵۲۲ء میں نہایت بے دردی کے ساتھ عورتوں اور ان کے بچوں کو جادو کے الزام میں ذبح کروا دیا۔ انگلستان میں عورتوں کو سزا دینے کے لئے ایک خاص مجلس بنائی گئی جس نے عورتوں کو سزا دینے اور ان پر ظلم کرنے کے لئے جدید قوانین مرتب کئے۔ ڈاکٹر اسپرنگ نے لکھا ہے کہ عیسائیوں نے ۹۰ لاکھ عورتوں کو زندہ جلا دیا۔[2]

---

[1] پردہ از ابوالاعلیٰ مودودی

[2] صحابیات از نیاز فتحپوری

مسیحی معاشرے میں عورت کو وراثت اور ملکیت کے نہایت محدود حقوق حاصل تھے۔ اس کی ہر شے کا مالک اس کا شوہر تھا۔ طلاق اور خلع کی اجازت نہ تھی۔ انتہائی شدید حالات میں تفریق کرادی جاتی مگر نکاحِ ثانی کا حق دونوں میں سے کسی کو نہ تھا۔ ان خلافِ فطرت رواجوں اور بے جا پابندیوں اور ظالمانہ قوانین کا اثر یہ ہوا کہ معاشرے میں بے حیائی کو فروغ حاصل ہوا حتیٰ کہ خود مذہبی پیشوا بھی اس سے محفوظ نہ رہ سکے۔

اٹھارہویں صدی میں

رفتہ رفتہ یورپ میں ذہنی بیداری کی علمی تحریک پروان چڑھی۔ ایک طرف کائنات اور مادّے پر تحقیق نے علم و فن کی دنیا میں انقلاب پیدا کر دیا۔ پادریوں کو خدشہ لاحق ہوا کہ اگر یونانی فلسفہ غلط ثابت ہو گیا تو مذہب کا خاتمہ ہو جائے گا۔ لہٰذا انہوں نے علوم کی ترقی کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ لیکن وہ قوانین فطرت کی پیہم دریافت اور مسلسل ہونے والی نت نئی ایجادات کے سامنے ٹک نہ سکے۔ اور مذہبی اقتدار کا خاتمہ ہو گیا۔ یورپ ترقی کے بامِ عروج کی طرف گامزن ہونے لگا۔ دوسری طرف ادیبوں اور فلسفیوں نے مسیحیت کی تنگ نظری سے چھٹکارا پانے کے لئے ایک نیا تصورِ آزادی پیش کیا۔ کہا جانے لگا کہ فرد کو پوری خود مختاری کے ساتھ ہر وہ کام کرنے کا حق حاصل ہونا چاہیئے جو اسے پسند آئے۔ اور ہر اس کام سے باز رہنے کی آزادی ہونی چاہیئے جسے وہ پسند نہ کرتا ہو۔ حکومت کا فرض فقط اتنا ہے کہ وہ فرد کی آزادی کا تحفظ کرے۔

آزادی کے اس مبالغہ آمیز تصوّر کو بے انتہا مقبولیت حاصل ہوئی۔ خصوصاً فرانس میں اسے فکری اور عملی حمایت ملی جس کے نتیجے میں انقلاب فرانس کا واقعہ رونما ہوا۔

صنعتی انقلاب

مغربی ممالک میں صنعتی انقلاب سے پہلے جاگیرداری نظام رائج تھا۔ اس نظام میں حالات کچھ ایسے تھے کہ مرد ہی کو عورت کے اخراجات کا بار بھی اٹھانا پڑتا تھا۔ مگر عورت اس دور میں بھی بعض گھریلو صنعتوں میں حصّہ لے کر مرد کی مدد کرتی تھی۔ مگر صنعتی انقلاب کے بعد صورت حال بالکل بدل گئی۔ صنعت اور تجارت کے نئے مرکز قائم ہوئے جو رفتہ رفتہ بڑے شہروں میں تبدیل ہو گئے۔ دیہات سے لاکھوں افراد شہروں میں جمع ہو گئے۔ مہنگائی بڑھنے لگی۔ ہر شخص زیادہ سے زیادہ دولت کمانے اور اپنے عیش و آرام کو بڑھانے میں مگن ہو گیا۔ اب عورتوں اور بچوں کو بھی گھر چھوڑ کر کارخانوں کی راہ لینی پڑی تاکہ محنت مشقت کر کے اپنا پیٹ پال سکیں۔ مردوں کی خود غرضی یہاں تک بڑھی

کہ انہوں نے اپنی قانونی بیوی تک کا بوجھ اٹھانے سے انکار کر دیا۔ آزادیٔ نسواں کی تحریک شروع ہوئی جو دراصل دو مقاصد حاصل کرنے کے لئے تھی۔ اوّل: عورتیں بھی اپنا کمائیں تاکہ مَردوں کو ان کا بار نہ اٹھانا پڑے۔ دوم: تجارت کی الجھنوں اور مشقت کی تکلیفوں میں مردوں کے لئے سامانِ تفریح مہیا ہو سکے۔

سماجی مصلحین نے بچّوں سے کام لینے کے خلاف آواز اٹھائی۔ چنانچہ کارخانوں وغیرہ میں ملازمت کی عمر بتدریج بڑھا دی گئی۔ مگر عورت اب بھی مظلوم تھی۔ اسے ملازمت بھی کرنا تھی جس کا معاوضہ مردوں کے مقابلے میں بہت کم ملتا تھا، عیش پرستوں کا دل بھی بہلانا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ گھر کا کام بھی کرنا تھا۔ اور اگر بچّے پیدا ہوں تو ان کی پرورش سے بھی وہ مستثنیٰ نہ تھی۔

پہلی جنگِ عظیم کے بعد پہلی جنگ میں یورپ اور امریکہ کے لاکھوں مرد مارے گئے۔ جو لڑائی سے زندہ واپس آئے وہ یا تو عمر بھر کے لئے معذور تھے یا اعصابی تناؤ سے چھٹکارا پانے کے لئے زندگی کی رنگینیوں میں گم ہو جانا چاہتے تھے۔ یہ لوگ شادی کے جھنجھٹ میں پڑنے کے لئے تیار نہ تھے۔ جنگِ عظیم کے بعد اخلاقی اور معاشرتی نقطۂ نظر سے جو سب سے بڑا مسئلہ سامنے آیا وہ ان بے شوہر عورتوں کا تھا جن کا نہ کوئی محافظ رہا تھا نہ سرپرست۔ دوسری طرف مزدوروں اور کارکنوں کا شدید قحط پیدا ہو گیا تھا۔ اس لئے عورتوں کے لئے اب کوئی موقع نہیں رہا تھا کہ وہ گھر میں بیٹھیں۔ انہیں کارخانوں اور صنعتوں میں مردوں کی جگہ لینی پڑی۔ اگر وہ ایسا نہ کرتیں تو ان کے متعلقین جن میں بوڑھے، معذور اور بچّے بھی تھے، بھوک سے مر جاتے۔

لیکن عورتوں کے لئے کارخانوں وغیرہ میں ملازمت مہنگی ثابت ہوئی۔ مالک صرف محنت والے ہاتھ نہیں بلکہ اپنی خواہشِ نفس کی تسکین کا ذریعہ بھی چاہتے تھے۔ خواتین کارکنوں سے ان کے دونوں مسائل حل ہو گئے۔

مردوں کی کمی کی وجہ سے ہر عورت کے لئے شادی کرنا ممکن نہیں رہا تھا۔ لہٰذا مغرب کی عورت اپنے جذبات و خواہشات سے مغلوب ہو کر ایک مخصوص راستے پر چل نکلی۔ اب اس کا کام محض یہ رہ گیا تھا کہ دکانوں اور کارخانوں میں مشقت کر کے

پیسہ کمائے اور اپنی خواہشات اور اپنے جذبات کی تسکین کے لئے ہر جائز و ناجائز راستہ اختیار کرے۔

عورت جب مردوں کے دوش بدوش میدانِ عمل میں نکلی تو اسے اپنے حقوق منوانے کے لئے ایک طویل جنگ لڑنا پڑی۔ مساواتِ مرد و زن کا تصور عام ہوا اور اس کا مفہوم یہ قرار پایا کہ جو کام مرد کرتے ہیں وہ عورتیں بھی کر سکتی ہیں اور انہیں کرنا چاہیئے۔ چنانچہ پہلے تو حق رائے دہی کا مطالبہ پیش ہوا۔ اور بعد میں کار و بارِ حکومت میں مساوی شرکت کا حق مانگا گیا۔ (جاری ہے)

امام حمید الدین فراہیؒ

کے تفکر و تدبر قرآن کا مرقع

مجموعہ تفاسیر فراہیؒ

اعلیٰ دبیز کاغذ پر بڑے سائز (۲۹×۲۲) کے ۵۳۶ صفحات
عمدہ آفسٹ کی طباعت اور سنہری ڈائی والی مضبوط اور دیدہ زیب جلد کے ساتھ

ہدیہ صرف -/۶۰ روپے (علاوہ محصول ڈاک)

اب جمادی الثانی تک طلب فرمانے والے حضرات کو مولانا فراہیؒ کی دو مزید تصانیف: 'اقسام القرآن' اور 'ذبیح کون ہے؟' مفت ارسال کی جائیں گی۔

نوٹ: وی پی ارسال نہیں کیا جائے گا۔ خواہشمند حضرات -/۷۰ روپے بذریعہ منی آرڈر ارسال کریں۔ کتاب بذریعہ رجسٹرڈ بک پوسٹ ارسال کر دی جائیگی

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، ۳۶-کے ماڈل ٹاؤن، لاہور

قاری نصیر احمد غزنوی قسط (۶)

اظہارِ حق

قادیانیت اپنے لٹریچر کے آئینے میں

(گذشتہ سے پیوستہ)

مالی امداد

(۱) اب اس طرح پر یہ پیشگوئیاں پوری ہوئیں کہ ہزارہا کوس سے لوگ آتے ہیں اور ہزارہا روپیہ سے مدد کرتے ہیں۔

(اربعین نمبر ۲ صفحہ ۳۵۱ - ۲۷ ستمبر ۱۹۰۰ء)

(۲) الہام ۲ پیشگوئی نمبر ۱ سے متعلق: پھر ایک دفعہ غنودگی آئی اور الہام ہوا اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ ۔ کیا خدا اپنے بندے کے لیے کافی نہیں ہے۔ ہر ایک پہلو سے وہ میرا معاون و ناصر ہوا مجھے صرف اپنے دسترخوان اور روٹی کی فکر تھی مگر اب تک اس نے کئی لاکھ آدمی کو میرے دسترخوان پر روٹی کھلائی۔ ڈاک خانہ والوں کو خود پوچھ لو کہ کس قدر اس نے روپیہ بھیجا۔ میری دانست میں دس لاکھ سے کم نہیں۔ اب ایسا نا کہو یہ معجزہ ہے یا نہیں۔

(نزول المسیح صفحہ ۴۹۵/۱۱۹ و صفحہ ۱۱۷ و صفحہ ۱۱۸ صفحہ ۴۹۹/۱۲۰ جولائی و اگست ۱۹۰۲ء)

(۳) ایسا اتفاق دو ہزار مرتبہ سے بھی زیادہ گزرا ہے کہ خدا تعالیٰ نے میری حاجت کے وقت مجھے اپنے الہام یا کشف سے یہ خبر دی کہ عنقریب کچھ روپیہ آنے والا ہے اور بعض اوقات آنے والے روپیہ کی تعداد سے بھی خبر دے دی اور بعض اوقات یہ خبر دی کہ اس قدر فلاں تاریخ میں اور فلاں شخص کے بھیجنے سے آنے والا ہے اور ایسا ہی ظہور میں آیا۔

(تریاق القلوب صفحہ ۱۹۹/۱۷۱ و صفحہ ۲۰۰/۱۷۲ ۱۸۹۹ء سے ۱۹۰۲ء)

(۴) ۳۵ برس کے قریب مدت گزر گئی جب کہ میں نے یہ ایک پیشگوئی شائع

کی تھی کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگرچہ اب تو اکیلا ہے اور تیرے ساتھ کوئی نہیں مگر وہ وقت آئے گا کہ میں ہزاروں انسانوں کو تیری طرف رجوع دوں گا اور اگرچہ اب تجھ میں کوئی مالی طاقت نہیں مگر میں بہت سے لوگوں کے دلوں میں اپنا الہام ڈالوں گا کہ اپنے مالوں سے تیری مدد کریں۔

(قادیان کے آریہ اور ہم ص۳ ، ص۱۴ ، ص۴۲/۴)

(۵) قادیان میں لالہ ملاوامل نے لالہ شرمپت کے مشورہ سے اشتہار دیا جس کو قریباً دس برس گزر گئے۔ اس اشتہار میں میری نسبت یہ لکھا کہ یہ شخص محض مکار ہے فریبی ہے اور صرف دوکاندار ہے لوگ اس کا دھوکہ نہ کھادیں، مالی مدد نہ کریں ورنہ اپنا روپیہ ضائع کریں گے۔ اس اشتہار سے ان آریوں کا مدعا یہ تھا کہ تاکہ لوگ رجوع سے باز آجائیں اور مالی امداد سے منہ پھیر لیں مگر دنیا جانتی ہے کہ اس اشتہار کے زمانے میں میری جماعت ساٹھ یا ستر آدمی سے زیادہ نہ تھی[۱] چنانچہ یہ امر سرکاری رجسٹروں سے بھی بخوبی معلوم ہو سکتا ہے کہ اس زمانہ میں زیادہ سے زیادہ بیس چالیس روپیہ ماہوار آمدنی تھی مگر اس اشتہار کے بعد گویا مالی امداد کا ایک دریا رواں ہو گیا۔ اور آج تک کئی لاکھ لوگ بیعت میں داخل ہوئے۔

(قادیان کے آریہ اور ہم ص۱۲ ص۱۳ ص۴۲۵/۹ ص۴۲۶/۱۰ - ۲۰ فروری ۱۹۰۷ء

(۶) براہین احمدیہ میں لاکھوں انسانوں کے رجوع اور لاکھوں روپیہ کی آمدن کے بارہ میں پیشگوئی شائع ہو چکی تھی... بعد کئی لاکھ آدمیوں نے میری بیعت کر لی اور کئی لاکھ روپیہ آیا اور دوسرے بے شمار تحائف ہر طرف سے آئے۔

(قادیان کے آریہ اور ہم ص۴۲۷/۱۱ ص۱۴ ص۱۵ ۲۰ فروری ۱۹۰۷ء)

(۷) مجھے اپنی حالت پر خیال کر کے اس قدر بھی اُمید نہ تھی کہ دس روپیہ ماہوار بھی آئیں گے مگر خدا تعالیٰ جو غریبوں کو خاک سے اُٹھاتا ہے اور متکبروں کو خاک میں ملاتا

---

[۱] دس سال پہلے یعنی ۲۰ فروری ۱۸۹۷ء تک کی یہ تعداد (یعنی ساٹھ ستر آدمی) ذہن میں رکھیں۔ پھر (مالی امداد) نمبر ۲، ۳ ملاحظہ فرمائیں کہ ۱۸۹۷ء میں کتنی تعداد تحریر فرمائی ہے مشہور مثل ہے "دروغ گو را حافظہ نباشد"۔ (ن ا)

ہے۔ اس نے میری ایسی دستگیری کی کہ مَیں یقیناً کہہ سکتا ہوں کہ اب تک تین لاکھ روپیہ کے قریب آچکا ہے۔ (حقیقۃ الوحی ص۲۲۱ ص۲۱۲ ۱۵ مئی ۱۹۰۷ء)

(۸) اس وقت سے آج تک دو لاکھ سے بھی زیادہ روپیہ آیا اور اس قدر ہر ایک طرف سے تحائف آئے اگر وہ سب جمع کیے جاویں تو کئی کوٹھے ان سے بھر جاتے۔

(حقیقۃ الوحی ص۲۴۲ ص۲۵۳ ص۲۴۳ ص۲۵۴۔ ۱۵ مئی ۱۹۰۷ء)

(۹) دوسری پیش گوئی یہ تھی کہ ہر طرف سے مالی امداد آئے گی۔ یہ مالی امداد اب تک پچاس ہزار روپیہ سے زیادہ آچکی ہے بلکہ مَیں یقین کرتا ہوں کہ ایک لاکھ کے قریب پہنچ گئی ہے۔ اس کے ثبوت کے لیے ڈاک خانہ جات کے رجسٹر کافی ہیں۔

(براہین احمدیہ۔ حصہ پنجم ص۵۸ ص۴۷۔ ۱۹۰۸ء)

(۱۰) اور جیسا کہ منی آرڈروں سے ثابت ہو سکتا ہے ایک لاکھ سے بھی زیادہ روپیہ آچکا ہے۔ (اسی صفحہ پہ آٹھویں سطر میں فرماتے ہیں) ایک لاکھ یا کچھ زیادہ روپیہ اب تک آچکا ہے۔

(چشمۂ معرفت، دوسرا حصہ۔ ص۴۰۶ ص۳۷۔ ۱۵ مئی ۱۹۰۸ء (انتقال ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء)

(نوٹ) اگر سنہ کی ترتیب کے مطابق ان رقوم کا جائزہ لیں تو سب فرضی ثابت ہوتی ہیں۔ کیونکہ کہیں ابتدائے دعویٰ سے ۱۹۰۲ء تک مجموعی آمدنی دس لاکھ روپیہ تحریر فرمائی ہے، کہیں ابتدائے دعویٰ سے ۱۹۰۸ء تک مجموعی آمدن ایک لاکھ یا کچھ زیادہ — کیا ان اقتباسات سے یہ ظاہر نہیں ہو رہا کہ جس طرح جماعت کی تعداد من گھڑت اور فرضی ہے اسی طرح مالی امداد کی رقم بھی فرضی اور دروغگوئی پر مبنی ہے (ن ا)

اُمّتی نبی بن گیا!

ایک شخص ساکن جمّوں چراغ دین نامی کی نسبت

اپنی تمام جماعت کو ایک اطلاع

اس شخص نے ہمارے سلسلہ کی تائید کا دعویٰ کرکے اور اس بات کا اظہار

کر کے کہ مَیں فرقہ احمدیہ سے ہوں جو بیعت کر چکا ہوں طاعون کے بارے میں ایک دو اشتہار شائع کیے ہیں۔۔۔ اب جو رات اس شخص چراغدین کا ایک اور مضمون پڑھا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ مضمون بڑا خطرناک اور زہریلا اور اسلام کے لیے مضر ہے۔ اور سر سے پیر تک لغو باتوں سے بھرا ہوا ہے۔ چنانچہ اس میں لکھا ہے کہ مَیں رسول ہوں اور رسول بھی اولوالعزم۔ پس یہ کیسی رسالت ہے۔ ناپاک رسالت ہے، جس کا چراغدین نے دعوےٰ کیا ہے۔ جائے غیرت ہے کہ ایک شخص میرا مرید کہلا کر یہ ناپاک کلمے منہ پر لاوے کہ مَیں مسیح ابن مریم کی طرف سے رسول ہوں۔ پھر باوجود ناتمام عقل اور ناتمام فہم اور ناتمام پاکیزگی کے یہ بھی کہنا کہ مَیں رسول اللہ ہوں۔ یہ کس قدر خدا کے پاک سلسلہ کی ہتک عزت ہے۔ گویا رسالت اور نبوت بازیچۂ اطفال ہے اور جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی دوسرا امور اور رسول نہیں تھا اور صحابہؓ ایک ہی ہادی کے پیرو تھے اسی طرح اس جگہ بھی ایک ہی ہادی کے سب پیرو ہیں۔ کسی کو دعویٰ نہیں پہنچتا کہ وہ نعوذ باللہ رسول کہلاوے مَیں تو جانتا ہوں کہ وہ ان تمام کوچوں سے محروم ہے اور نفس اَمّارہ کی غلطی نے اس کو خودستائی پر آمادہ کیا ہے۔ پس آج کی تاریخ سے وہ ہماری جماعت سے منقطع ہے۔ جب تک کہ مفصل طور پر اپنا توبہ نامہ شائع نہ کرے اور اس ناپاک رسالت کے دعوے سے ہمیشہ کے لیے مستعفی نہ ہو جائے۔ ہماری جماعت کو چاہیئے کہ ایسے انسان سے قطعاً پرہیز کریں۔

(المشتہر خاکسار مرزا غلام احمد از قادیان۔ تعداد اشاعت ۵۰۰ - ۲۳ اپریل ۱۹۰۲ء)

(دافع البلاء ص۱۹ ص۲۳۹/۲۳، ص۲۴۱/۲۵ ص۲۱ ص۲۳ ص۲۴۲/۲۱)

چراغدین کی نسبت مَیں یہ مضمون لکھ رہا تھا کہ تھوڑی سی غنودگی ہو کر مجھ کو خدائے عزّ وجل کی طرف سے یہ الہام ہوا نزل به جبیس یعنی اس پر جبیز نازل ہوا۔۔۔ جبیز دراصل خشک اور بے مزہ روٹی کو کہتے ہیں۔۔۔ اور مرد بخیل اور لئیم کو بھی کہتے ہیں اور اس جگہ لفظ جبیز سے مراد وہ حدیث النفس اور اضغاث الاحلام ہیں جن کے ساتھ آسمانی روشنی نہیں اور بخل کے آثار موجود ہیں۔ اور ایسے خیالات خشک مجاہدات کا نتیجہ یا تمنا اور آرزو کے وقت القاء شیطان ہوتا

اور یا خشکی اور سوداوی مواد کی وجہ سے کبھی الہامی آرزو کے وقت ایسے خیالات کا دل پر القاء ہوتا ہے۔ (۱۔ حاشیہ نمبر ا ص۲۳ داخع البلاء)

حاشیہ نمبر ۲

رات کو عین خسوف فجر کے وقت چراغ دین کی نسبت مجھے یہ الہام ہوا۔ انی اذیب من یریب ط میں غارت کر دوں گا۔ میں غضب نازل کر دوں گا اگر اس نے شک کیا اور اس پر ایمان نہ لایا اور رسالت اور مامور ہونے کے دعوے سے توبہ نہ کی اور خدا کے انصار جو سالہائے دراز سے خدمت اور نصرت میں مشغول ہیں اور رات دن صحبت میں رہتے ہیں۔ ان سے عفو و تقصیر نہ کرائی۔ کیونکہ اس نے جماعت کے تمام مخلصوں کی توہین کی کہ اپنے نفس کو ان سب پر مقدم کر لیا حالانکہ خدا نے بار بار براہین احمدیہ میں ان کی تعریف کی اور ان کو سابقین قرار دیا اور کہا اصحاب الصفة وما ادراک ما اصحاب الصفه۔ چراغ دین کی یہ رسالت اور یہ الہام محض چیز اور اس کے لیے مہلک ہیں مگر دوسرے اصحاب جن کی توہین کرتا ہے ان پر مائدہ نازل ہو رہا ہے اور ان کو خدا کی رحمت سے بڑا حصہ ہے۔ ص۲۴ ص۲۴ - دافع البلاء

نوٹ: جس طرح مرزا صاحب چراغ دین جموی کے مضمون کو زہریلا، خطرناک اور اسلام کے لیے مضر، سر سے پیر تک لغو اور باطل باتوں سے بھرا ہوا سمجھتے ہیں، ہمارے نزدیک ان کے مضامین بھی انہی تعریفات میں آتے ہیں۔ جس نظریہ سے وہ اس بات پر معترض ہیں کہ چراغ دین نے کیونکر ان کی بیعت کر کے اور ان کے فرقہ احمدیہ میں داخل ہو کر، ان کے مقابلہ میں نبوت کا دعویٰ کر دیا، اسی نظریہ کے مطابق مرزا صاحب ہی کو کب یہ حق حاصل تھا کہ وہ خود کو مسلمان کہہ کر اور محمد رسول اللہ کا کلمہ پڑھ کر، ان کا امتی ہونے کا دعویٰ کر کے انؐ ہی کے مقابلہ میں نبوت کا دعویٰ کر بیٹھیں۔ خود انہوں نے بھی اپنے مضامین اور اپنے دعویٔ رسالت پر کیوں نہیں غور فرمایا؟ جب چراغ دین جموی کو یہ حق نہیں پہنچتا، کہ وہ ان کا مدِ مقابل بن کر آ جائے، تو مرزا صاحب کو کب یہ حق پہنچتا ہے۔ جس طرح مرزا صاحب کے خیال کے مطابق چراغ دین کے دعویٔ نبوت سے ان کی ساری امت کی توہین ہوئی ہے، اسی طرح خود ان کے دعویٔ نبوت

سے بھی پوری امتِ مسلمہ کی توہین ہوتی ہے۔ اگر یہ جرأت چراغ دین کے لیے جائے غیرت تھی تو مرزا صاحب کے لیے بھی جائے غیرت ہے۔ انہیں بھی بقول خود یہ ناپاک کلمے منہ پر نہیں لانے چاہئیں تھے۔ اگر چراغ دین نفس امّارہ کی غلطی سے خودستائی میں مبتلا ہو سکتا ہے تو مرزا صاحب کے لیے بھی اس کا امکان ہے اور ان سے بھی اس کا صدور ہو سکتا ہے۔ (ن۔ ا)

الہام وحی

الہام و وحی کی تعریف

ہر ایک وحی جو ہوتی ہے ایک فولادی میخ کی طرح دل میں دھنستی جاتی ہے۔۔۔ یہ اسی وحدہٗ لاشریک خدا کا کلام ہے جس کا کلام قرآن شریف ہے۔ (تذکرۃ الشہادتین ص۳ ص۴)

سچا کلام

سچے الہام میں ایک شوکت اور بلندی ہوتی ہے اور دل پر اس سے ایک مضبوط ٹھوکر لگتی ہے اور قوت اور رعب ناک آواز کے ساتھ دل پر نازل ہوتا ہے۔ سچا الہام اپنے ساتھ ایک لذت اور سرور کی خاصیت لاتا ہے۔ اور نامعلوم وجہ سے یقین بخشتا ہے اور ایک فولادی میخ کی طرح دل کے اندر گھس جاتا ہے اور اس کی عبارت فصیح اور غلطی سے پاک ہوتی ہے۔

(ضرورت الامام۔ ص۴۸۹ و ص۱۹)

لیکن اگر کوئی کلام یقین کے مرتبہ سے کم تر ہو تو وہ شیطانی کلام ہے نہ ربانی۔

(نزول المسیح ص۱۰۸ ص۴۸۶/۱۱۰)

خدا کا کلام بندہ اور خدا میں دلالہ ہے۔ (نزول المسیح ص۴۶۵/۱۹ ص۸۷)

خدا کا کلام جو میرے پر نازل ہوا ہے یا ہوتا ہے وہ میری روحانی والدہ ہے۔ جس سے میں پیدا ہوا اس نے مجھے ایک وجود بخشا جو پہلے نہ تھا۔

(نزول المسیح ص۴۶۵/۱۹ ص۸۷)

۱۹۰۲ء فروری الہام: در کلام تو چیزے است کہ شعراء را دراں دخلے نیست

كَلَامٌ أُفْصِحَتْ مِنْ لَدُنْ رَبٍّ كَرِيمٍ ط

(ترجمہ) تیرے کلام میں ایک چیز ہے جس میں شاعروں کو دخل نہیں ہے۔ تیرا

کلام خدا کی طرف سے فصیح کیا گیا ہے۔ (تذکرہ صـ۵۹۵)

• خدا کا کلام اس قدر مجھ پر نازل ہوا ہے کہ اگر وہ تمام لکھا جائے تو بیس جزو سے کم نہیں ہوگا۔ (حقیقۃ الوحی صـ۴۰۰)

(نوٹ) وحی خواہ کسی زبان کی بھی ہو، وہ ایسی بے مثل و بے نظیر ہوتی ہے، کہ کوئی انسان اس کی مثال و نظیر پیش نہیں کر سکتا کیوں کہ وہ خدا کا کلام ہوتا ہے۔ میں مرزا صاحب کی ہر زبان یعنی اردو، عربی، فارسی، انگریزی اور پنجابی کی وحی نقل کرتا ہوں۔ صاحبِ ذوق حضرات انہیں پڑھ کر سنجیدگی سے غور فرمائیں کیا یہ خدائی کلام ہو سکتا ہے؟ کیا زبان کے اعتبار سے مرزا صاحب کی کسی وحی میں بھی فصاحت و بلاغت یا ادبیت پائی جاتی ہے؟ یا یہ اس درجہ کا بھی کلام کہلایا جا سکتا ہے، جو ایک عالم یا ادیب پیش کرتا ہے (ن ا)

• آج پھر ۱۵ مارچ ۱۹۰۶ء کو بروز پنجشنبہ وقت صبح یہ الہام ہوا: خدا نکلنے کو ہے۔ انت منّی بمنزلۃ بروزی اور تو مجھ سے ایسا ہے جیسا کہ میں ہی ظاہر ہو گیا۔ یعنی تیرا ظہور بعینہٖ میرا ظہور ہوگا۔ (تجلیاتِ الٰہیہ صـ۴۰۴/۱۲)

• خدا تعالیٰ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ تیرے لیے میں زمین پر اُترا اور تیرے لیے میرا نام چمکا اور میں نے تجھے تمام دنیا میں سے چُن لیا۔ (تجلیات الٰہیہ صـ۳۹۸/۶)

• یعنی خدا تیرے ساتھ ہے۔ خدا وہیں کھڑا ہوتا ہے جہاں تو کھڑا ہو۔ یہ حمایت الٰہی کے لیے ایک استعارہ ہے۔ (ضمیمہ انجام آتھم صـ۳۰۱/۱۷)

• تُو مجھ سے اور میں تجھ سے ہوں۔ خدا عرش سے تیری تعریف کرتا ہے۔ تو اس سے نکلا اس نے تمام دنیا سے تجھ کو چنا۔ تجھ سے بیعت کرنا ایسا ہے جیسا کہ مجھ سے۔ تیرا ہاتھ میرا ہاتھ ہے۔ تیرا بھید میرا بھید ہے۔ اے میرے احمد تو میری مُراد اور میرے ساتھ ہے۔ (کتاب البریہ صـ۱۰۰/۸۲ صـ۱۰۱/۸۳ صـ۱۰۲/۸۴ صـ۱۰۳/۸۵)

• میں نے اپنے ایک کشف میں دیکھا کہ میں خود خدا ہوں اور یقین کر لیا کہ وہی ہوں۔ میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کی روح مجھ پر محیط ہو گئی اور میرے جسم پر مستولی ہو کر اپنے وجود میں مجھے پنہاں کر لیا یہاں تک کہ میرا کوئی ذرہ بھی باقی نہ رہا اور میں نے اپنے

جسم کو دیکھا تو میرے اعضاء اس کے اعضاء اور میری آنکھ اس کی آنکھ اور میرے کان اس کے کان اور میری زبان اس کی زبان بن گئی تھی۔
(کتاب البریہ ص ۱۰۳/۸۵ ص ۱۰۴/۸۶)

• اللہ تعالیٰ مجھے مخاطب کر کے فرماتا ہے۔ یا قمرُ یا شمس انت منّی وانا منک۔ یعنی اے چاند اور اے سُورج تُو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں۔ اسی طرح ایک دفعہ خدا نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا۔ انت منّی بمنزلۃ اولادی انت منّی بمنزلۃ لا یعلمہا الخلق۔ یعنی تُو مجھ سے بمنزلہ اولاد کے ہے اور تجھے مجھ سے وہ نسبت ہے جس کو دنیا نہیں جانتی۔

• ایک دفعہ میں نے کشفی رنگ میں دیکھا کہ میں نے نئی زمین اور نیا آسمان پیدا کیا اور پھر میں نے کہا کہ آؤ اب انسان کو پیدا کریں۔
(چشمۂ مسیحی ص ۳۷۵/۴۲ ص ۵۷ ص ۵۸ ص ۳۷۶/۴۴)

• انت منّی بمنزلۃ ولدی۔ تُو مجھ سے بمنزلہ میرے فرزند کے ہے۔
(حقیقۃ الوحی ص ۸۹/۸۶ ص ۸۶)

خدائی ورود | خدا تعالیٰ نے میری وفات کی نسبت اُردو زبان میں مندرجہ ذیل کلام کے ساتھ مجھے مخاطب کر کے فرمایا۔

• بہت تھوڑے دن رہ گئے ہیں۔ اس دن سب پر اداسی ادا اسی چھا جائے گی۔ یہ ہوگا۔ یہ ہوگا۔ بعد اس کے تمہارا واقعہ ہوگا۔ تمام حوادث اور عجائبات قدرت دکھلانے کے بعد تمہارا حادثہ ہوگا۔ (رسالہ الوصیت ص ۳ ص ۳۰۲/۴)

پہلی پیشگوئی ۱۸۷۴ء ؛ ہفتہ کا روز تھا اور دوپہر کا وقت تھا کہ مجھے کچھ غنودگی ہو کر خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ الہام ہوا والسّماء والطّارق۔ یہ پیشگوئی میرے والد کے متعلق ہے۔ اور وہ آج ہی غروب آفتاب کے بعد وفات پائیں گے اور یہ قول خدا تعالیٰ کی طرف سے بطور ماتم پرسی کے ہے۔ (نزول المسیح ص ۱۱۶ ص ۴۹۴/۱۸)

الہام نمبر ۲

پیشگوئی نمبر اسے متعلق ؛ پھر یک دفعہ غنودگی آئی اور یہ الہام ہوا اَلَیس اللہ بکافٍ عبدہٗ کیا خدا اپنے بندے کے لیے کافی نہیں ہے۔ ہر ایک پہلو

سے وہ میرا ناصر و معاون ہوا۔ مجھے صرف اپنے دستر خوان اور روٹی کی فکر تھی۔
مگر اب تک اس نے کئی لاکھ آدمی کو میرے دستر خوان پر روٹی کھلائی۔ ڈاک خانہ
والوں کو خود پوچھ لو کہ کس قدر اس نے روپیہ بھیجا۔ میری دانست میں دس لاکھ
سے کم نہیں۔ اب ایمانًا کہو کہ یہ معجزہ ہے یا نہیں۔ (نزول المسیح ص ۴۹۵/۱۹ ر ص ۱۱۷ مـ
(نزول المسیح ص ۴۹۵/۱۱۹ ص ۱۱۷ و ص ۱۱۸ ص ۴۹۶/۱۲۰)

وحی پیشگوئی نمبر ۱۰۔ ۸۲-۱۸۸۰ء انا اعطیناک الکوثر یعنی ہم تجھے
بہت سے ارادت مند عطا کریں گے اور ایک کثیر جماعت تجھے دی جائے گی۔ دیکھو
اس پیشگوئی کو بیس برس گزر گئے اور اب وہ کثیر جماعت ہوئی اور نہ صرف ستر ہزار
بلکہ اب تو یہ جماعت لاکھ کے قریب ہو گئی اور ان دنوں میں ایک بھی نہ تھا طاعون
کے دنوں میں کامل ظہور ہوا۔ (نزول المسیح ص ۵۰۹/۱۲۲ ص ۱۳۱)

وحی: پیشگوئی نمبر ۱۹ ۸۲-۱۸۸۰ء ۔ جس زمانہ میں براہین چھپ رہی تھی روپیہ
کی آمدن میں قدم قدم پر تنگی تھی۔ کوئی جماعت نہ تھی جس سے چندہ لیا جائے،
اس لیے مدت تک مسودہ کتاب کا معطل پڑا رہا۔ اور الہامات تسلی دیتے تھے کہ
یہ تمام کام ہو جائیں گے اور ایک جماعت بھی ہو جائے گی۔ چنانچہ منجملہ ان کے بعض
انگریزی الہامات ہیں اور میں انگریزی نہیں جانتا۔ اس کوچہ سے بالکل ناواقف
ہوں۔ ایک فقرہ تک مجھے معلوم نہیں مگر خارق عادت طور پر مندرجہ ذیل الہامات
ہوئے۔

• آئی لو یو۔ آئی ایم ودِ یو۔ آئی شل ہیلپ یو۔ آئی کین وہٹ آئی وِل ڈو۔
وِی کین وہٹ دی وِل ڈو۔ گاڈ از کمنگ بائی ہز آرمی (صفحہ ۴۸۰ و ۴۸۱)
ترجمہ: میں تم سے محبت رکھتا ہوں۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ میں تمہاری مدد
کروں گا۔ میں کر سکتا ہوں جو چاہوں گا۔ ہم کر سکتے ہیں جو چاہیں گے۔ خدا ایک
لشکر لے کر چلا آتا ہے۔ (ص ۵۱۵/۱۳۹ ص ۱۳۷ و ص ۵۱۶/۱۴۰ ص ۱۳۸ نزول المسیح)

پیشگوئی نمبر ۲۹؛ ۸۲-۱۸۸۰ء تاریخ ظہور پیشگوئی ۹۷-۱۸۹۵ء؛
وحی: اَلفِتنَۃُ ھٰھُنَا فَاصبِر کَمَا صَبَرَ اُولُو العَزمِ دیکھو براہین احمدیہ
ص ۲۴۱ اور اس وقت تیرے لیے ایک فتنہ برپا ہو گا۔ سو صبر کر جیسا کہ اولوالعزم

نبیوں نے صبر کیا ہے۔ (نزول المسیح ص ۱۴۹/۱۵۱ ص ۵۲۷)

الہام: ہی اِز وِد یو تو کل اینیمی (ترجمہ) وہ دشمن کو مغلوب اور ہلاک کرنے کے لیے تمہارے ساتھ ہے۔ (تذکرہ ص ۶۵)

الہام: دی ڈیز شَل کم وِہن گاڈ شیل ہیلپ یو۔ گلوری بی ٹو دس لارڈ گوڈ میکر اوف ارتھ اینڈ ہیون۔

الہام: آئی لَو یو۔ آئی شَل گِو یو اِ لارج پارٹی اوف اسلام (ترجمہ) میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ میں تمہیں ایک بڑا گروہ اسلام کا دوں گا۔ (تذکرہ ص ۱۰۳)

الہام: یو مسٹ ڈو وہاٹ آئی ٹولڈ یو۔ یُو آل من شُڈ بی انگری بٹ گاڈ اِز وِد یو۔ ہی شَل ہیلپ یو۔ وارڈس آف گاڈ ناٹ کین ایکس چینج۔ یُو ہیو ٹو گو امرت سر۔ ہی ہَلٹس ان دی ضلع پشاور۔ (تذکرہ ص ۱۱۷ و ص ۱۱۶)

دِس از مائی اینیمی (یعنی یہ میرا دشمن ہے۔ (تریاق القلوب ص ۲۶۵)

اے وَرڈ اینڈ ٹو گرلز۔ (تذکرہ ص ۵۹۳)

یُو مَسٹ ڈو وہاٹ آئی ٹولڈ یُو۔ تم کو وہ کرنا چاہیئے جو میں نے فرمایا ہے۔ (یہ اُردو عبارت بھی "الہامی" ہے) وَد آل من شُڈ بی انگری بٹ گاڈاز وِد یو۔ ہی شَل ہلپ یو۔ وارڈس آف گاڈ ناٹ کین ایکس چینج۔

حاشیہ: چونکہ یہ غیر زبان میں الہام ہے اور الہام الٰہی میں ایک سُرعت ہوتی ہے اس لیے ممکن ہے کہ بعض الفاظ کے ادا کرنے میں کچھ فرق ہو۔ اور یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ بعض جگہ خدا تعالیٰ انسانی محاورات کا پابند نہیں ہوتا یا کسی اور زمانہ کے متروکہ محاورہ کو اختیار کرتا ہے۔ اور یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ وہ بعض جگہ انسانی گریمر یعنی صرف و نحو کے ماتحت نہیں چلتا۔ اس کی نظریں قرآن شریف میں بہت پائی جاتی ہیں۔ مثلاً یہ آیت انّ ھٰذان لسَاحِران۔ انسانی نحو کی رو سے انّ ھٰذین چاہیئے۔ (تذکرہ ۱۱۶)

نوٹ: جرأت ملاحظہ ہو اپنے کلام کے عیب کو چھپانے کے لیے اللہ تعالیٰ کے کلام پر اعتراض وارد کر دیا۔ (نصیر احمد)

(جاری ہے)

ایں چہ بوالعجبیست؟

از عبدالرّحمان خان مہمند

پاکستان اسلام کو ایک قوت کے طور پر استعمال کرتے ہوئے وجود میں آیا۔ ایک غیر ملکی مستبدانہ نظام کی مالک استعماری طاقت اور ہم وطن مکارانہ شعائر کی حامل عظیم اکثریت کے مقابل ہمارے پاس اپنے تشخص کو منوانے اور تیزی سے بدلتے ہوئے سیاسی حالات کے اندر اپنے وجود کی بقا و نشوونما کی خاطر اس کے سوا فی الحقیقت اور کوئی چارہ ہرگز نہیں تھا کہ ہم اپنے مخصوص بنیادی جُزو ترکیبی کی بنا پر اپنی الگ قومیت کا نعرہ بلند کریں! اسلام کو نظریۂ پاکستان کی شکل ملنے سے بہت پیشتر جبکہ برِصغیر ہند میں مسلمان ایک Ruling Community کے طور پر نہایت واضح، امتیازی اور اپنی بہترین شناخت رکھتے تھے، یہ کبھی ضرورت محسوس ہی نہیں کی گئی تھی کہ اپنے مذہب و دین کو نعروں یا عزائمِ مستقبل کی بنیاد بنایا جائے۔ چنانچہ خاندانِ غلاماں سے لے کر مغلیہ دَورِ حکومت تک کے طویل عرصہ میں معدودے چند حکمرانوں کو جزوی طور پر چھوڑ کر ہمیں کہیں بھی اسلام ایک مکمل دین کی حیثیت میں کار فرما نظر نہیں آتا! وہ تمام ادارے جو اسلام کے حوالے سے ایک دینی ریاست میں ہونا ناگزیر ہیں، اپنی رُوح و جسم کے اعتبار سے قریب قریب ناپید کے دائروں میں شمار کیے جا سکتے ہیں اور اسلامی شعائر پر مبنی اعلیٰ و ارفع نظامِ حکومت اور مثالی صالح معاشرے کے تکوینی اجزاء "ہر چند کہیں کہ ہے، نہیں ہے" کی حدود میں داخل ہو جاتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ توارث پر مبنی شہنشاہانہ نظامِ ریاست کی بدولت اور اپنے مخصوص پس منظر و پیش منظر کی بناء پر اس طویل دَور کے حکمرانوں کو یہ بصیرت حاصل ہی نہیں تھی کہ اسلام اپنی کُل کے اعتبار سے مقصدِ واحد کا حامل ہے: یعنی انسانیت کو کفر، شرک اور لادینیت کی تاریکیوں سے نکال کر علم و ایمان کی روشنی میں لانا اور بہ پیرِ بندگانِ خدائے واحد و برتر کی لڑی میں اپنی بہترین ساخت پر پرونا، مسلمان کا انفرادی سطح پر بالعموم اور ریاستی سطح پر بالخصوص عین فرضِ منصبی ہے اور یہ جوڑ ہے ایک تناور اور بارآور صالح معاشرے کے پُرشکوہ پودے کی!

اگر یہ مقصد واقعتاً پیشِ نظر ہوتا تو صدیوں پر مشتمل حکمرانی کو اپنے بہترین اسلامی و عمرانی نتائج کی کسوٹی پر پرکھتے ہوئے ہم ایک راست سمت میں متعیّن حاکمانہ دَور سے تعبیر کر سکتے تھے اور آج کا جغرافیہ اپنی ہیئت کے ساتھ ساتھ اپنی تاریخ سے بھی یقیناً مختلف ہوتا! کرۂ ارض کے اس عظیم خشک و متصل ٹکڑے پر اگر صحیح اسلامی معاشرے کے خدوخال نمایاں ہو جاتے تو زمین کے باقی وسیع و عریض خطوں کے باسیوں کی زندگی میں بھی ایک انقلابِ عظیم کی توقع رکھی جا سکتی تھی اور آج یہ علاقہ باہم ٹکراؤ تو کجا اب تک شاید قریبی بیرونی تصادم کی لہروں سے بھی آگے کی منزلیں طے کر چکا ہوتا!

مگر جو منظر فی الواقع تاریخ ہمارے سامنے پیش کرتی ہے، وہ یہ ہے کہ مسلمان حکمرانوں نے (الّاماشاءاللہ) اپنے فرضِ اوّلین کی طرف توجہ کرنے کی بجائے باہمی مناقشات، اکھیڑ پچھیڑ، محلاتی سازشوں اور اقتدار کے حصول یا دائمِ اقتدار کی جدوجہد میں ہی اپنی جملہ صلاحیتوں کو کھپانا کامیابی و کامرانی کی کلیدِ بے نظیر سمجھ لیا۔

زیادہ سے زیادہ توجہ اگر کسی امر پر سنجیدگی کے ساتھ مرتکز کی تو وہ محض ہوسِ جُوعُ الْاَرْض ہی تھی۔ ایک ایسی فتح کی طرف قدم بڑھائے جاتے جس کے پیچھے اس سطحی طرزِ فکر کے سوا کوئی اعلیٰ تعمیری سوچ کارفرما ہی نہ ہوتی کہ عظمت کی تحصیل ریاستی حدود کی وسعت میں مضمر ہے! ایک ایسی ریاست کی توسیع جو دعوت اِلَی اللّٰہ کا کام بالقول اور نہ ہی بالفعل سرانجام دیتی ہو، کے لئے ہزارہا انسانوں کی قربانی اسلامی نقطۂ نظر سے محلِّ نظر ہی ٹھہرے گی. لیکن شخصی وجاہت اور خاندانی امارت کا نشہ کچھ ایسا تیز چڑھا کہ حقیقتِ نفس الامری مسلمان دل و دماغ سے اوجھل ہو کر رہ گئی۔ احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کا فطری تقاضا تو یہ تھا کہ اپنے وسیع اختیارات اور بسیط علاقے پر کم و بیش مکمل تمکن کی بناء پر مسلمان حکمران اسلام کو زندگی کے ہر شعبے میں نافذ کرنے کی کوئی سنجیدہ کوشش بالضرور کرتے مگر اس کے برعکس تاریخ کے اوراق ہمیں کج فہمی کی یہ سیاہ تصویر دکھاتے ہیں کہ غیر مسلم رعایا کے ساتھ ناروا فیّاضی کا سلوک روا رکھنا ہی اسلام کی بہترین خدمت سمجھ لیا گیا بلکہ ایسے دریدہ باطن حکمران بھی اپنی عظمت کے ڈھول عرصۂ دراز تک پیٹتے رہے کہ جنہوں نے شرک و کفر کو ایوانِ حکومت کے اندر لا کر سجایا اور یوں چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی کے مصداق الحاد و پیوند کاری کے جرثومے اسلامی ریاست کے سربراہِ امورِ کُل نے اپنے داعیِ حق کے مقام کو یکسر پسِ پشت ڈال کر خود اپنے ہاتھوں سے لگانے کی بے باکانہ جسارت کی. چونکہ ایسے گم کردہ راہ حکمرانوں کو اکثر و بیشتر مرغ دست آموز نما درباری دستیاب ہر دور میں مل ہی جایا کرتے ہیں. لہٰذا جس کسی نے بھی راہِ راست سے ہٹ کر علیحدہ ڈفلی بجانے کی کوشش، تال ملانے والے اسے وہیں سے فوراً مل جاتے رہے اور ملّت کا کارواں دوسروں پر حجّت بننے کی بجائے خود اپنے دین کے لئے ایک مضحک صورتِ حال اور افسوسناک نتائج کا پیش خیمہ بنتا رہا!! جب جگانے والا خود ہی سو جائے اور نہ وہ کسی دوسرے کو یہ "عملِ ناپسند" کرنے کی اجازت دے تو زندگی کی حقیقی نمو کہاں سے پیدا ہو گی؟

وسیع تاریخی تناظر میں جہاں ہمیں التمش و اورنگ زیب جیسے درویش صفت حکمران نظر آتے ہیں وہاں ہم یہ بھی ساتھ ہی دیکھتے ہیں کہ محض ایک شخصیت کے اپنی ذات سے پھوٹنے والے اثرات کوئی ہمہ گیر دائمی نہیں ہوتے جبکہ وہ شخصیت اپنی مخصوص طبیعت کے اعتبار سے ایک خاص دائرہ عمل میں ہی اپنے آپ کو محدود رکھے اور اپنی حیثیتِ کُلی کے لحاظ سے حقیقی طور پر مطلوب کردار کا مظاہرہ نہ کر سکے یا بوجوہ نہ کر سکے! حکمران اگر ریاست کا سربرآوردہ ترین شخص ہوتا ہے تو احتساب و پرسش اور تنقید و تنقیح کے لحاظ سے بھی اس پر بڑی بھاری ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ لیکن اس برصغیر میں ملّتِ اسلامیہ کی یہ بڑی بدقسمتی رہی کہ عمومی طور پر حکمرانانِ اسلامی اپنے ہی محدود خیالات و افکار (چاہے وہ ان کی شخصی عظمت کی نہج پر کتنے ہی مستحسن کیوں نہ ہوں) میں غلطاں و پیچاں رہے اور نہ تو اندرونی طور پر انہوں نے مستقل دل جمعی اور ایک مضبوط منصوبہ بندی کے تحت غلغلۂ اسلام بلند کرنے کے لئے کوئی پُرخلوص کوشش کی اور نہ وہ اصلاحِ مملکت و معاشرہ اور نفاذِ دین کے فریضۂ اولیٰ سے فارغ ہونے کے بعد بیرونی دائروں میں اسلام کی شمشیرِ بُرّاں ثابت ہو سکے! یہ حقیقت کس قدر تکلیف دہ ہے کہ صدیوں تک ایک انتہائی وسیع خطۂ زمین پر عظیم الشان تمکنت و سطوت رکھنے کے باوجود ہمارے بزعمِ خویش "مسلم حکمران" بہترین حکمت، راست تعلیم و تبلیغ، اعلیٰ امثال و آثار، قوتِ قاہرہ کے احسن ترین استعمال اور جملہ وسائل کے صحیح تصرف کے ذریعے اسی سرزمین

کے باشندوں کی ایک عظیم اکثریت کو حلقہ بگوشِ حق نہ کر سکے جبکہ دوسری طرف تاریخ و تطبیق ہمیں یہ مناظر بھی دکھاتی ہے کہ باطل ادیان و فکر کو اپنے عقیدہ و فکر میں راسخ حاکموں نے قوتِ قاہرہ اور وسائل کے استعمالِ محض یا استعمال بالحکمت سے نہ صرف خوب پھیلایا بلکہ زیر دستوں کے ذہنوں سے پرانے یقین و ایقان اور اعتقاد و اعتماد کے نقوش کھرچ کر رکھ دے! جب باطل اپنے خام اور ادھورے نظریہ کے لئے اتنا مخلص ہو سکتا ہے تو کیا یہ نحوست صرف مسلمان حکمرانوں کے مقدر میں ہی لکھی ہوئی ہے کہ وہ اپنے مبنی برحق اعلیٰ ترین نظریات کے لئے فکر و عمل کے میدان میں کوئی ٹھوس قدم اٹھانے سے شعوری یا لاشعوری طور پر عاجز رہ جاتے ہیں؟ مسلمان سلطنتوں کی بساط لف و نشر کے مراحل سے گزرتی رہتی ہے۔ مگر رجعتِ قہقری کا عمل بھی کم و بیش ساتھ ہی ساتھ جاری رہتا ہے!

آباء کی گھمبیر اور انتہائی کوتاہ اندیشانہ غلطیوں اور لغزشوں کا خمیازہ مسلم ملت کو برصغیر ہند میں یوں بھگتنا پڑا کہ کل کے پُرشکوہ حاکم آج کے نکبت و ادبار میں ڈوبی ہوئی قوم میں تبدیل ہو گئے۔ اور چونکہ یہاں وسیع تر دینی مفاد کی بنیاد پر اشاعتِ دین کی کوئی وسیع کوشش پچھلے کسی "سنہری دور" میں عمل الجموم نہیں کی گئی تھی، لہٰذا اب کفر کی عظیم اکثریت کا خوفناک عفریت اپنے پچھلے ناعاقبت اندیش فیاض و روادار حاکم کو محکوم بلکہ درحقیقت معدوم کر دینے کی نیت خبیثہ کے ساتھ آگے بڑھا اور نئے انقلاب کے مابعد مہلک اثرات کے تحت اپنے منفعل اور وقت فاشناس طرزِ عمل کے باعث ممکن ہے کہ ملتِ اسلامیہ نرم نوالہ ثابت ہوتی اور اس برِعظیم میں عدم کی طرف بڑھنے والی گراف لائن (Graphic line) کو وسیع زمانی دائروں اور تہہ در تہہ تہذیبی، معاشی اور سیاسی فصول میں اپنی زشت خُو، انتہائی تنگ نظر اور اسفل عزائم کی حامل متحارب اکثریت کے بُنے ہوئے جال میں نقطۂ منتہا تک پہنچا دیتی، مگر قدرت کو ہی رحم آگیا اور اعمالِ بد کی پاداش میں زناٹے کا تھپڑ کھانے کے بعد ملت کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو ایسے ناخدا ملتے چلے گئے کہ جنہوں نے اپنی اپنی سمجھ و فہم کے اعتبار سے اپنی اپنی مخصوص حدود و قیود میں بقائے ملت اور پھر احیائے ملت کے لئے اخلاص و جہد سے بھرپور کوششیں کرنا شروع کر دیں۔

بقا اور احیاء کا یہ دور بھی قریباً ایک صدی کا وقت کھا گیا۔ اور آخر کار طویل، پیہم اور کٹھن جدوجہد کے نتیجے میں وہ روشن صبح طلوع ہو گئی کہ جس میں ایک نئی زندگی کا آغاز مسلمان قوم کے لئے مجموعی طور پر اور خصوصی و فوری نہج پر ایک مخصوص اور محدود گروہ ملت کے لئے ابتدائی نشو و نما کا سامان فراہم کر دیا گیا تاکہ بعد ازاں ضروری کمر ہمت کسنے کے بعد بقیہ محکوم ملت کی رہائی عمل میں آسکے! لیکن اس روشن صبح کے افق پر واضح مقاصد کی خاطر جھیلے گئے شدید ابتلاء اور پیش کی گئی عظیم قربانیوں کی سُرخی اتنی زیادہ گہری تھی کہ اگر صرف وہ خونچکاں منظر ہی من حیث القوم ہم سب کے پیشِ نظر رہتا اور بالخصوص حکمرانانِ قوم اگر اسی خون خون رنگ کے خمیر سے اٹھنے والے داعیات کو اپنے اہداف میں تبدیل کر لیتے تو یقیناً آج کا نقشہ کچھ بہت ہی مختلف ہوتا! کیونکہ راست سمت میں متعین طور پر اٹھے ہوئے قدم کبھی پسپائیوں سے آشنا نہیں ہوتے اور صحیح زاویے پر کیا گیا درست کام جس کی بنیاد صحیح فلسفہ و نظریہ ہو، کبھی ناکام نہیں ہوا کرتا مگر

؎ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

قائداعظمؒ کو ہم اس لئے کسی طرح بھی موردِ الزام نہیں ٹھہرا سکتے کہ قیامِ پاکستان کے بعد انہیں اتنی فرصت و مہلت ہی نہ مل سکی کہ وہ ایک پائیدار اور حقیقی معنوں میں اسلامی تقاضوں سے ہم آہنگ دورِ نو کی تشکیل کر سکیں۔ اور اگرچہ ایک سال کی مدت کوئی اتنی حقیر نہیں ہوا کرتی مگر نوزائیدہ ریاست کو درپیش شدید اندرونی و بیرونی دباؤ

اور ان کی انتہائی عدم صحت مطلوبہ نیا ڈھانچہ کھڑا کرنے میں مانع ہو گئی! بہ ایں ہمہ اس نازک وقت کی گوناں گوں اور فوری نوعیت کی پیش آمدہ پریشانیوں، کلفتوں اور چیلنجوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے انہوں نے جس طرح اپنے تن ناتواں سے بے دریغ کام لیا حقیقت یہ ہے کہ ان کی پچھلی تمام بلند کرداری، اولوالعزمی اور عظیم لیڈر شپ کو ایک طرف رکھتے ہوئے بھی ان کی اپنی شخصی عظمت کے ثبوت کے لئے مجرّد طور پر صرف یہی امر پیش کیا جا سکتا ہے وہ اگر صحت مند پیمانوں پر مزید دس سال بھی فعال رہ سکتے تو یہ ایک بدیہی گمان ہے کہ بات اپنی صحیح ترتیب سے طے پا جاتی اور قافلۂ ملت کافی آگے بڑھ چکا ہوتا! لیکن اللہ رب العزت کو گران کی رحلت ہی منظور تھی۔

جب بھی اللہ و رسول صلعم کی زندہ و ابدی ہدایت، طویل تاریخی آگہی اور خود بانیٔ ریاست کے نئی تعمیر و تشکیل کے حوالے سے واشگاف عزائم و اعلانات ملت کے اس کارواں کو آگے کی راست سمت میں بڑھانے کے لئے بہت کافی تھے!

مگر ہوا کیا؟ ——— ہوا یہ کہ "کھوٹے سکّے" نئی منڈی میں چل نہ سکے۔ کساد بازاری میں اصولوں اور اخلاقی قدروں کے بھاؤ اتنے گرے کہ ہر شخصیت کا دیوالیہ مصنوعی جامے سے باہر آ گیا۔ اعلیٰ مناصب اور اقتدار کی امانتوں کے امین وقت کے تیور تو کیا پہچانتے، وہ تو سطحی معیارات سے بھی نیچے جا گرے! وسیع تاریخی تلخ حقائق کا شعور یہ احساس دلانے کے لئے کافی تھا کہ انہیں متعین کردہ منزل کی طرف تیز رَو ہونا پڑے گا مگر لمحاتی فوائد، عبوری عشرتیں اور عارضی نشۂ اقتدار ان سے عقل و فہم اور راست راہِ عمل اپنانے کی ساری توفیق چھین کر لے گیا۔ ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ اسلام (جو بنائے قیام تھا) کو ایک مکمل نظام حیات کے طور اختیار کرنے کے لئے ہمہ جہتی کوشش کا آغاز فوراً ہو جاتا تاکہ اصل منزل کی جانب راستے سکیڑے جا سکیں، لیکن اس کے برعکس ہوا یہ کہ بلطائف الحیل لغویت کی حد تک کٹ حجتی سے کام لیا گیا۔ مرضیٔ مولا از ہمہ اولیٰ کی تقلید کی بجائے اپنے دین سے کھلے اعراض کا سلسلہ شروع کر دیا گیا۔ اور کس قدر ندامت کی بات ہے کہ وہ ریاست جو خدائے بزرگ و برتر کے ساتھ شہادت علی الناس کا عہد بالجزم کر کے حاصل کی گئی تھی اور جس کی تشکیل کا مقصدِ وحید دورِ جدید میں قرآن و سنّت کے برتر و برحق احکامات کو تجربے کی کسوٹی پر نکھار کر بقیہ وسیع انسانیت کے لئے اتمامِ حجت کرنا علیٰ رؤس الاشہاد قرار پایا تھا، اسی ریاست کے خود کار فرما والی موالی اسے معکوس رُخ پر لے جانے کی کوشش میں ہمہ تن اخلاص بن گئے اور اگر کسی مردِ حق نے توجہ دلائی کہ کئے گئے عہد و پیمان کے مطابق دین کی لفظاً و معناً تنفیذ کا اہتمام کرنا عند اللہ و عند الناس ایک ناگزیر اقتضاء ہے تو جواباً قبلہ درست کرنے کی بجائے کٹ ملّائی پھبتی کس کر اس کی بھد اڑانے کی کوشش کی گئی اور نقضِ امن کا مجرم ٹھہرایا گیا۔ مگر فی الواقع یہ بھد کس کی اڑی! حقیقی استہزا کس کا ہوا! صحیح معنوں میں اللہ و قوم کے نزدیک مجرم کون ٹھہرا؟ ——— اس کے جواب کے لئے کسی علامۂ دہر کی ضرورت نہیں ہے۔

ایسے ایسے جہلِ مرکب حکمران اس ریاستِ خداداد کو دیکھنے نصیب ہوئے جو نفاذِ اسلام کے مطالبے کو زٹل بازی کی سان پر چڑھانا اپنی ہوشیاری کی ایک محکم دلیل سمجھا کرتے تھے اور جن کا سارا عمل زبانِ حال کی بجائے زبانِ مقال کی نوک پر ہی رہتا تھا ——— ایک کے بعد دوسرا، بزعمِ خود پہلے سے بڑا، یہاں بساطِ حکومت بچھاتا رہا۔ بڑا ذہین، چلت پھرت میں بڑا تیز، خود کو ڈپلومیسی کا انتہائی ماہر سمجھنے والا اور قوم کی نبض پر ہاتھ رکھنے

کا دعویدار، مگر "بحیثیت مسلم حکمران" کامرانی کی حقیقی اساس کیا ہے ؟ یہ سمجھنے سے قاصر! چنانچہ نقضِ عہد کی پاداش میں ریاست کا ایک بازو ٹوٹنے پر بھی کسی کو غضبِ خدا سے ڈرنے کا خیال نہیں آیا۔ کسی نے قوم کے صبر و شکیب کا امتحان لینے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی اور کسی نے علیٰ قدرِ مراتب اپنے فرضِ حقیقی کی طرف راجع ہونے کی ضرورت محسوس نہ کی! قوم اگر اصل مقاصد کے تکمیل پذیر نہ ہونے پر کڑھتی ہے تو کڑھتی رہے، لیکن اعلیٰ سطح پر پرنالہ وہیں بہے گا اور

ع ہم تو ڈوبے ہیں صنم، تجھ کو بھی لے ڈوبیں گے۔

کا ترانہ علی التواتر گایا جائے گا! قوم زیادہ سے زیادہ اگر کچھ کر سکتی ہے تو فقط یہ کہ کبھی کبھار کسی مخلص (بظاہر) راہنما یا راہنماؤں کی پکار پر اپنے بنیادی قلبی جذبوں کی شدت کے تحت بے نظیر قربانیاں پیش کر دے۔ نقشہ بدل جائے گا مگر نہ تو راہنما یا راہنماؤں کا خلوص سچا نکلے گا اور نہ ہی عملی طور پر موعودہ نتائج کی بہار پرانی خزاؤں پر مرہم بن سکے گی۔ اور قوم کی اس "ضرورت سے زیادہ دین پسندی" کے لئے یہی تازیانہ کافی رہے گا ـــــ ایک مسلسل اضطراب، ایک دائمی کڑھن!

لیکن کڑھن کی بھی ایک حد ہوتی ہے اور لازم نہیں کہ اگر بازاروں میں لوگ بظاہر ویسے ہی خوش و خرم نظر آتے رہیں تو مطلب یہ لیا جائے کہ سب مطمئن ہیں۔ یہی غلطی ہمارے سابقہ حکمرانوں سے ہوتی رہی اور عموماً یہی وہ بھول ہوتی ہے کہ جس کے نتیجے میں انقلاب کا لاوا جب زیرِ زمین پکتے پکتے یکدم ابلتا ہے تو مقابلے کی تاب نہ پا کر حکمران حیرانی سے پوچھتا ہے کہ کیونکر ہوا ؟ ظاہری سطح پر مزاج قومی کھلنڈرا اور غیر ذمہ دارانہ نظر آتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ اپنی تمام تر بد انگاریوں اور غیر ذمہ دارانہ حرکتوں کے باوجود یہ قوم بنیادی طور پر اسلامی و سیاسی شعور کے اعتبار سے زبردست نقادانہ ذہن رکھتی ہے۔ قوم بحیثیت مجموعی ہر بار ایک نئی امید باندھتی ہے کہ ہمارا یہ نیا سربراہ ایک نظریاتی مسلم ریاست کے امیر کی حیثیت میں اپنی ظاہری و باطنی ذمہ داریوں کو کماحقہٗ پورا کرنے کی سعی ضرور کرے گا لیکن پھر آہستہ آہستہ جب توقعات نومیدی کے بھنور میں پھنس جاتی ہیں تو افراد اپنے اپنے دائرۂ عمل میں اپنی اپنی بے اعتدالیوں کو یہ جواز مہیا کر لیتے ہیں کہ جب حکمران ہی اپنے قول و فعل میں مخلص نہیں اور اپنے فرائض سے متواتر غفلت برت رہا ہے تو ہم کیا کریں ؟ ہمیں اسی رنگ میں رنگے ہوئے معاشرے میں عزت کے ساتھ زندہ رہنا ہے اور اس کے لئے بہتی گنگا میں ہاتھ دھونے کے مواقع دوسروں کے ساتھ اگر ہمیں بھی حاصل ہیں تو "کفرانِ نعمت" کر کے ہم خود کو عذاب میں کیوں ڈالیں! اس طرح منفی سوچ کی لامتناہی لہروں کا یہ تانا بانا الجھتا سلجھتا آگے بڑھتا ہے اور بدی و کجروی کے ایک دیے سے دوسرا دیا جلتا چلا جاتا ہے۔ اور جب ان بہت سے جلتے ہوئے دیوں کی تاریک روشنی کم و بیش سارے آنگن کو "منور" کر دیتی ہے تو ایک 'نیک نیت حکمران' پر بھی مایوسی کے بادل چھا جاتے ہیں اور وہ اپنے تئیں پورے انشراحِ صدر کے ساتھ یہ عذر پیش کرتا ہے کہ من حیث المجموع قوم میں "صراطِ مستقیم" اپنانے کا داعیہ موجود ہی نہیں۔ لہٰذا اگر ایسے ماحولِ کشاکش میں اصلاح کے زینے پر قوم کو چڑھانا مقصود ہے تو اس کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ قدم بہت ہی آہستہ آہستہ آگے بڑھائے جائیں۔

چنانچہ پھر تدریج کے فلسفے پر عمل شروع ہوتا ہے۔ ایک ایسی تدریج جو صحیح تر اسلامی فہم اور انسانی فطرت و طبائع کو مدِنظر رکھتے ہوئے راست تدریج نہیں ہوتی۔ 'نیک نیت حکمران' درخت کی جڑوں پر کلہاڑا چلانے کی بجائے کبھی ایک شاخ کاٹتا ہے اور کبھی دوسری طرف سے پتے جھاڑتا ہوا نظر آتا ہے لیکن اتنی دیر میں پہلی شاخ دوبارہ

پھوٹنا شروع کر دیتی ہے اور جب وہ پہلی شاخ کی طرف دوبارہ جھکتا ہے تو تیسری طرف کونپلیں اگ رہی ہوتی ہیں اس طرح اس کی مثال اس چرواہے کی سی ہوتی ہے جو اپنی بھیڑوں کا پیچھا ڈسانپ کے مارنے کی بجائے ہر نئی ڈسی جانے والی بھیڑ کے الگ الگ علاج کے اصول پر رکھتا ہے۔ وہ معاملے کو صحیح طریق پر نبٹنے سے یا تو واقف نہیں ہوتا یا پھر ایسا کرنے میں اسے خواہ مخواہ کے ادھورے خدشات پریشان کرنے لگتے ہیں۔ وہ اگر چہ صحیح معنوں میں ایک اسلامی فلاحی مملکت کی اٹھان کے ارادے باندھتا ہے مگر اس کا عمل اس کے عزم سے متعلق مریع مقتضیات کے بالکل نقیض پڑتا ہے۔ اصلاح کا بیڑا اٹھاتا ہے مگر بیچ میں ہی لنگر ڈال کر کسی دوسری سمت میں اپنی کشتی لے کر چل پڑتا ہے۔ بہترین دین پر مبنی اعلیٰ نظام کی لہلہاتی فصل کے حصول کی غرض سے بڑے اخلاص کے ساتھ بیج ڈالتا ہے مگر وہ نہ تو انتہائی گراں قیمت بیج ڈالنے سے پیشتر ضروری سطح پر زمین کی تیاری کی احتیاج محسوس کرتا ہے اور نہ ہی وہاں پہلے سے اُگے ہوئے ڈنٹھل ہٹا کر ہل چلاتا ہے۔ چنانچہ اس کا اچھائی کی طرف سارا سفر اور نیکی کے گل و گلزار سجانے کی خاطر ساری کی ساری سعی، سعیٔ لاحاصل بن کر رہ جاتی ہے۔ جس کا سب سے جھلک نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ناکامی کی اصل وجوہ پر نظر تو کم ہی لوگوں کی ہوتی ہے مگر عمومی طور پر بیج کی افادیت ہی مشکوک ہو کر رہ جاتی ہے۔

وہ اپنے دوام حکمرانی کی اساس مبادیاتِ دین کی تنفیذ و تکمیل کے بلند آہنگ عزائم اور دعووں پر رکھتا ہے مگر وہ خود گاڑی کو سیدھا چلانے کی بجائے پرانچ لائنوں پر لئے پھرتا ہے اور اگر کوئی اس کی کوتاہی کی نشاندہی کرنا چاہتا یا قطعیت کے ساتھ کرنے کی کوشش کرے اور انجن کی بنیادی خرابیوں اور مسافروں کو لگنے والے جھٹکوں کی وجوہ انہی مبادیاتِ دین کے ضوابط کی روشنی میں بیان کرے تو وہ اکثر و بیشتر اسے درخورِ اعتناء ہی نہیں سمجھتا۔ کیونکہ "ذی فہم" اور "آدابِ خسروانہ سے واقف" "میزانِ کرام کی" "نظرِ عمیق" میں یہی طرزِ عمل حالات و واقعات سے مطابقت رکھتے ہوئے سود مند ہوتا ہے اور اگر کبھی وہ "مخلص حکمران" اپنے فطری اخلاص کی جبلت کے تحت صائب بات پر کان دھرتا بھی ہے تو مختلف نام نہاد خدشات اور "درباری امراء" کی طرف سے پیش کی گئی موہوم منفی نتائج کی ہولناک تصویر کشی عمل مثبت کی راہ میں پاؤں کی زنجیر بن جاتی ہے۔ اور نتیجہ نکلتا ہے، وہی ڈھاک کے تین پات! بات وہیں اٹکی رہ جاتی ہے۔ بلکہ درحقیقت وقت کے ساتھ ساتھ معکوس سفر طے کرتی ہوئی پہلے سے زیادہ مشکل عقدے پیدا کر دیتی ہے۔

(باقی آئندہ)

عَنْ عُثْمَانَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

کی مطبوعات میں

ایک اہم اضافہ

★

سانحۂ کربلا

ڈاکٹر اسرار احمد

کی

ایک اہم تقریر جواب کتابی شکل میں

شائع کی گئی ہے

صفحات — ۴۸

قیمت : ۳ روپے صرف

ملنے کا پتہ

۳۶ — کے ماڈل ٹاؤن لاہور

فون :- ۸۵۲۶۱۱

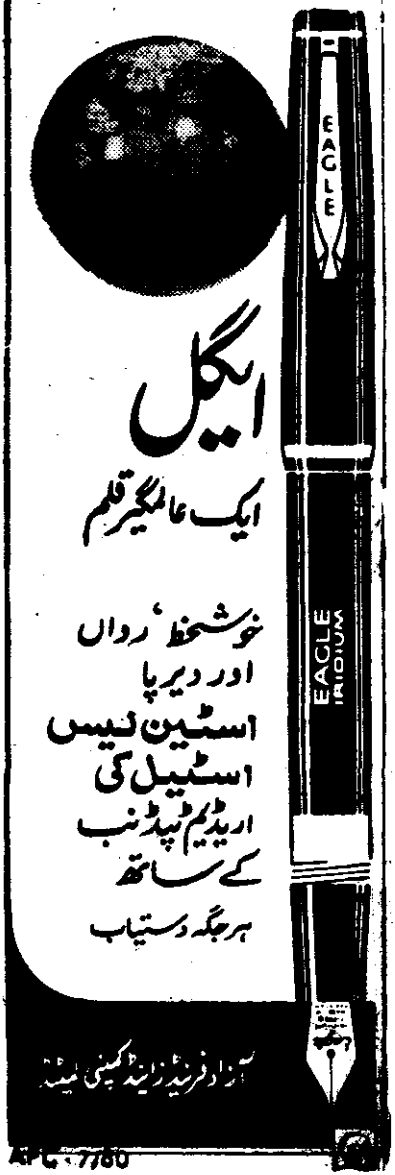

عن انسؓ عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم

قال

لایؤمن احدکم حتی یحبّ لاخیہ ما یحبّ لنفسہ

(رواہ البخاری)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، تم میں سے ایک شخص اس وقت تک (کامل) مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے وہ چیز پسند نہ کرے جسے وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

رشید جیولری ہاؤس

لاہور

ٹمپل روڈ — ۳۱۱۴۴۰ — ۳۰۴۳۳۳

سوہا بازار — ۶۴۴۳۳ — ۵۶۴۷۹

پروپرائیٹر

اے وحید

ٹینٹ اور ترپال

بنانے کا ممتاز ادارہ

مرکزی دفتر

محمد بن قاسم روڈ۔ کراچی

امپورٹ - ایکسپورٹ کا قابلِ فخر ادارہ

رین بو انٹرنیشنل

برآمدی اشیاء

آرٹ سلک فیبرکس گارمنٹس ❊ بیڈ شیٹس
کاٹن کلاتھ ❊ کاٹن گارمنٹس ❊ احرام تولیہ ❊ تولیہ
ہینڈی کرافٹس ❊ لکڑی کا فرنیچر۔

درآمدی اشیاء

لاکھ دانہ ❊ سٹکر فلم ❊ سوچ سٹارٹر
ربڑ لیٹکس ❊ پولیسٹر ریان۔

مرکزی دفاتر

I فلور غلام رسول بلڈنگ ۶ شاہراہِ قائدِ اعظم لاہور
ذیلی دفاتر:- کراچی - فیصل آباد۔

THE ORIGINAL

Have a Coke and a smile.

"COCA-COLA" AND "COKE ARE THE REGISTERED TRADE-MARKS WHICH IDENTIFY THE SAME PRODUCT OF THE COCA-COLA COMPANY.

paragon

Siddiq Sons Industries Ltd.

Largest Manufacturers & Exporters of :

WATERPROOF COTTON CANVAS, TARPAULINS, TENTS, WEBBING AND OTHER CANVAS PRODUCTS,

HEAD OFFICE :
709, 7TH FLOOR, QAMAR HOUSE,
M.A. JINNAH ROAD, KARACHI (PAKISTAN)

2 - K GULBERG II, SHAHRAH-E-IQBAL, LAHORE.
TELEFHONE : 870512 880731

KPT
پاکستان کی
قومی بندرگاہ....
...پوری لگن کے ساتھ
قومی تجارت کے فروغ کے لیے
اپنی کوشش تیز سے تیز تر
کر رہی ہے۔
کراچی پورٹ ٹرسٹ
تجارت اور معیشت کی خدمت میں
کراچی پورٹ
پاکستان کی قومی بندگاہ

Regd. L. No. 7360

MONTHLY "MEESAQ" LAHORE

Vol. 33 | FEBRUARY 1984 | No. 2

قدرتی گیس کا ضیاع روکیئے

ہمارے توانائی کے وسائل محدود ہیں ہم توانائی کے ضیاع کے متحمل نہیں ہو سکتے

گیس بچا کر
قومی معیشت کو
مستحکم بنائیے

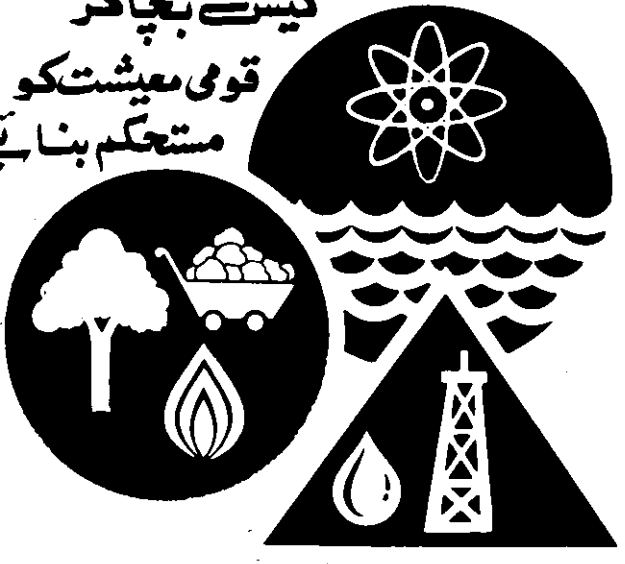

ہمارے ملک میں توانائی کے وسائل کی کمی ہے۔ توانائی کی ضروریات کثیر زرمبادلہ صرف کر کے پوری کی جاتی ہیں۔ ہماری صنعت، تجارت، زراعت کے شعبوں میں توانائی کی مانگ روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ آپ کی بچائی ہوئی توانائی ان اہم شعبوں کے فروغ میں کام آئے گی۔

سوئی ناردرن گیس پائپ لائنز لمیٹڈ

قدرتی گیس بہت زیادہ قیمتی ہے
اسے ضائع نہ کیجئے

SNGPL 4/60